حالم
سات راتیں چھ دن
پانچ خطوط
قسط 16
نمرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

حالم (نمرہ احمد)

سترہواں باب:

"سات راتیں، چھ دن، پانچ خطوط"

اس نے خواب میں دیکھا کہ...

اس کے ہاتھ زنجیروں میں بندھے تھے...

دو افراد اس کے عقب میں کھڑے محسوس ہوتے تھے...

اور سامنے ایک ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے کھڑا مرد تھا...

اس مرد نے زرتار پوشاک پہن رکھی تھی....

اور اس کے لمبے سیاہ بالوں کے ہالے میں چہرے پہ برہمی تھی...

اس کے انداز میں کچھ خوفزدہ کرنے والا تھا...

مگر اس نے خود کو بلا خوف کہتے سنا۔

"تمہاری بیٹی ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔

اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔"

"مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔" وہ آدمی غرایا تھا۔

"جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو۔"

اس نے خود کو مسکراتے دیکھا۔

"بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم خود مجھے یہاں واپس بلاؤ گے۔

اور اس کرسی پہ مجھے بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔"

ایک عجیب سی کیفیت میں اس کی آنکھ کھلی تھی۔

☆☆=========☆☆

احمد نظام اسے "بالائی پولیس مسجد انڈیا" والے پولیس اسٹیشن میں لائے تھے۔ وہ مسجد انڈیا نامی علاقے کا ایک چھوٹا اسٹیشن تھا اور اس کے آس پاس اس وقت کوئی صحافی وغیرہ نہ تھا جو تالیہ مراد کو وہاں دیکھ کے پہچان لیتا۔

کچھ دیر بعد اسے ایک انٹروگیشن روم میں بٹھا دیا گیا اور پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔

وہ ایک خالی کمرہ تھا۔ درمیان میں میز رکھی تھی اور سامنے آدھی دیوار آئینے کی بنی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے پار کھڑے تفتیشی افسران کو وہ دکھائی دے رہی ہو گی البتہ وہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ ایک کرسی پہ بیٹھی تھی اور ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پہ رکھے سامنے بیٹھے پراسیکیوٹر اور پولیس افسر کو خاموشی سے گھورے جا رہی تھی۔

(تالیہ ایک وحشت ناک پنجرے میں بھی بند ہو چکی تھی' اور ایک پر تعیش محل میں قید بھی ہو چکی تھی۔ وہ ان کی عام جیلوں سے نہیں ڈرتی تھی۔) سر جھٹک کے اس نے خود کو تسلی دی البتہ کوئی شے تھی جو اندر ہی اندر اس کے اعصاب کو ہلا رہی تھی۔

"کل آپ کو عدالت میں پیش کیا جائے گا' تالیہ۔" پراسیکیوٹر احمد نظام سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ سیاہ بالوں والی لڑکی بس چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

"آپ اب بھی چاہیں تو سچ بول سکتی ہیں' یا پھر.... آپ کو اپنے وکیل کا انتظار ہے۔"

"تالیہ کسی سے ڈرتی نہیں ہے جو اسے وکیل کی مدد کی ضرورت ہو۔ اگر میں چپ ہوں تو اس لئے کہ آپ کو میرے سچ کا یقین نہیں آئے گا۔"

احمد نظام مٹھیاں میز پہ جمائے آگے کو جھکے اور سنجیدگی سے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔

آگے انہوں نے جو بھی کہا' تالیہ نے نہیں سنا۔ اسے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ وہ یک ٹک ان کے ہلتے لبوں کے پیچھے دانتوں کو دیکھ رہی تھی جن سے خون نکل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو داڑھیں ٹوٹیں اور ان کی زبان سے پھسلتی میز پہ آن گریں۔ خون آلود لمبی جڑ والی داڑھیں۔

"تالیہ؟"

اس نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ میز صاف تھی۔ احمد نظام کا منہ بھی صاف تھا اور وہ کہہ رہے تھے۔ "میں آپ کے سچ کا یقین کروں گا۔ آپ سچ بولنے کی کوشش تو کریں۔"

اوہ..... اس کے خواب.... اس نے سر جھٹکا اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔

"آپ کریں گے یقین؟" چیلنجنگ انداز میں ابرو اٹھا کے پوچھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ساتھ بیٹھا تفتیشی افسر

خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا۔

”تو پھر سنیے....“ تالیہ نے ٹیک لگائی اور ہتھکڑیوں والے ہاتھ گود میں رکھ کے گویا ہوئی۔

”چند ماہ قبل میں ایک رات وان فاتح کے ملاکہ والے گھر گئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہاں ایک خزانہ دفن ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا؟“

”مجھے ٹوکیے مت۔ مجھے سچ بولنے دیجیے۔“ شہزادی نے پیشانی پہ بل ڈال کے کہا۔ ”میں اسی خزانے کے لئے اس گھر کو کرائے پہ لینا چاہتی تھی مگر ایسا ہو نہیں سکا۔ پھر اس رات مجھے اس گھر کے صحن میں ایک ٹریپ ڈور ملا۔ وان فاتح اور ایڈم میرے ساتھ تھے۔ میں سمجھی تھی اس کے پیچھے خزانہ ہوگا مگر جب ہم نے وہ دروازہ کھولا تو اس کے پار....“ اس نے گہری سانس لی۔ دونوں غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ”اس کے پار ایک جنگل تھا۔ اس دوران ہمیں معلوم ہوا کہ ہم اکیسویں صدی سے واپس پندرہویں صدی کے ملاکہ میں چلے گئے ہیں۔ وہ وقت کا دروازہ تھا جسے ہم نے کھولا تھا اور ہم واپس نہیں جا سکتے تھے۔“

تفتیشی افسر کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی جسے اس نے بند مٹھی منہ پہ رکھ کے چھپا لیا۔

”یعنی کہ آپ تینوں وقت میں پیچھے چلے گئے تھے۔ پھر؟“ احمد نظام سنجیدگی سے بولے۔

”ہم چار دن اس جنگل میں سفر کرتے رہے اور پھر ہم اس سے نکلے تو....“

”چار دن آپ نے گزارا کیسے کیا؟ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا؟“

”نہیں۔ ہم نے گراس ہوپر کھائے اور بے بسی بھرا غصہ پیا۔ اب میں آگے چلوں؟“

”شیور۔ شیور۔ پھر آپ جنگل سے نکلے تو؟“

”تو ہمیں ایک غلاموں کے بیوپار گروہ نے قید کر لیا۔ وہ ہمیں ملاکہ شہر لے گئے۔ ایڈم اور میں تو ان کی گرفت سے بھاگ گئے مگر فاتح صاحب نہیں بھاگ سکے۔ بہر حال تب مجھے علم ہوا کہ میرا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں، میں وقت کا دروازہ پار کر کے اس نئے زمانے میں آ گئی تھی۔ میں نے اپنے بابا کو ڈھونڈا تو پتہ چلا، وہ بندا ہارا مراد راجہ بن چکے ہیں۔ وہاں لوگوں سے میرا تعارف ان کی بڑی بیٹی تاشہ بنت مراد کے طور پہ کروایا گیا اور مجھے شہزادی بنا دیا گیا۔ جبکہ ایڈم کو میں نے اپنا مورخ مقرر کر دیا۔ ہماری ساری کوششیں مراد راجہ سے وقت کی چابی لینے اور فاتح کو آزاد کروانے میں صرف ہوئیں۔ اس کام میں چار ماہ لگے اور بالآخر راجہ نے ہمیں جانے دیا۔ وہ انگوٹھی مجھے سلطان مرسل شاہ نے تحفے میں دی تھی اور میں اچھی شہزادی کی طرح میں تحفے نہیں ٹھکرا سکتی تھی کیونکہ سلطان اسے علمِ بغاوت کے مترادف سمجھتا۔ سلطان سے شادی نہ کرنے کے لیے مجھے وان فاتح سے شادی کرنی پڑی سو ٹیکنکلی میں ان کی بیوی ہوں۔ چار ماہ قدیم ملاکہ میں گزارنے کے بعد ہم واپس آئے تو میں

کچھ چیزیں ساتھ لے آئی۔ یہ انگوٹھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہ میری ہے اور میں نے اسے نہیں چرایا۔ ہم واپس آئے تو وقت ٹھہرا ہوا تھا اور ہم اسی رات میں واپس آئے تھے۔ مسئلہ صرف اتنا ہوا کہ فاتح صاحب کو وہ زمانہ بھول گیا البتہ مجھے اور ایڈم کو سب یاد ہے۔ اب آپ بتائیں۔ آپ کو یقین آیا میری بات پہ؟'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

احمد نظام گال تلے ہتھیلی رکھے بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ آخری بات پہ ہنکارا ابھرا اور سر ہلایا۔

''میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔ آپ کو کیسے علم ہوا کہ اس گھر میں خزانہ مدفن ہے؟''

''کیونکہ مجھے....'' وہ آگے ہوئی اور ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''سچے خواب آتے ہیں۔ میں مستقبل کے مناظر دیکھ سکتی ہوں۔ مجھے وہ نظر آتا ہے جو عام لوگوں کو نظر نہیں آتا۔''

احمد نظام چند لمحے اسے تاسف سے دیکھتے رہے پھر گہری سانس لے کر اٹھے۔

''چے تالیہ.... آپ کی اس کہانی پہ میں ویسے بھی یقین نہ کرتا لیکن اس خواب دیکھنے والی بات نے اس کو انتہائی بوگس بنا دیا ہے۔ یعنی آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ قید بھی ہوئیں پھر شہزادی بھی نکل آئیں' اور مستقبل کے وزیراعظم بھی آپ کے ساتھ تھے' بلکہ انہوں نے آپ سے شادی بھی کر لی؟ اور پھر آپ وہاں سے قیمتی زیورات لے کر واپس بھی آ گئیں۔ اور ہاں سلطان بھی آپ کی محبت میں گرفتار تھا اور آپ اس کی ملکہ بننے والی تھیں.... یہ اسٹوری تو اگر کسی فلم کی ہوتو اسے بھی فلاپ کروا دے' اور آپ اس کہانی کو کورٹ میں اپنے واحد ڈیفنس کے طور پہ استعمال کر رہی ہیں؟''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے تندہی سے اسے دیکھا۔ ''آپ کو اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کن حالات سے گزری ہوں۔''

''یو نو.... میرا ایک دوست کہا کرتا تھا کہ جب تک انسان کسی دوسرے کی جگہ پہ کھڑا نہ ہو' وہ اصل کہانی نہیں جان پاتا۔ ایک ہی روایت میں اگر راوی اور مروی کی جگہیں بدل دی جائیں تو سارا قصہ ہی بدل جاتا ہے۔ مگر آپ کی بات سمجھنے کے لئے چے تالیہ مجھے جگہ نہیں دنیا ہی بدلنی ہوگی۔ ساری باتیں چھوڑ دیں' کیا آپ صرف یہ ثابت کر سکتی ہیں کہ آپ کو سچے خواب آتے ہیں؟''

''جی۔ کر سکتی ہوں۔''

''او کے۔ کس طرح؟'' وہ ہتھیلیاں میز پہ رکھ کے اس کے سامنے جھکے۔ تالیہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''میں نے آپ کے بارے میں دیکھا ہے کہ آپ کی دو داڑھیں گر گئی ہیں۔ وہ بھی خون آلود ہو کے۔ دانت کسی انسان کے رشتے داروں اور دوستوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ داڑھوں کی جڑیں بہت لمبی ہوتی ہیں۔ یعنی بوڑھے لوگ۔ آپ کے عزیز و اقارب میں دو لوگ مرنے والے ہیں' وہ بھی خونی موت۔ ایک دانت بڑا تھا اور ایک چھوٹا۔ ایک بوڑھا مرد۔ اور

ایک بوڑھی عورت کچھ عرصے میں مر جائیں گے۔"

احمد نظام نے گہری سانس لی۔اور سر جھٹکا۔"ظاہر ہے کہ آپ جانتی ہیں میرے دونوں والدین کینسر پیشنٹ ہیں اور ان کی زندگی بہت کم رہ گئی ہے۔اگر انہیں کچھ ہوا بھی تو میں اسے آپ کے خواب کی تعبیر نہیں سمجھوں گا۔ تالیہ۔سی یو اِن کورٹ تو مارو۔"

احمد نظام نے اپنا فون اٹھایا اور وہاں سے نکل آئے۔

باہر رات پھیل چکی تھی مگر پولیس اسٹیشن میں معمول کا رش لگا تھا۔وہ اپنی دھن میں آگے بڑھتے ہوئے راہداری کے کونے تک پہنچے تھے جب ایک سیاہ سوٹ والے آدمی کو سامنے سے آتے دیکھا۔وہ آدمی ان کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھ گیا تو انہوں نے یونہی گردن موڑ کے دیکھا۔وہ انٹیروگیشن روم کی طرف جا رہا تھا۔احمد نظام نے قریب سے گزرتے ایک سپاہی کو روک کے استفسار کیا۔

"یہ آدمی کون ہے اور اندر کیوں جا رہا ہے؟"

"میں پتہ کرتا ہوں۔" سپاہی بھی انٹیروگیشن روم کی طرف لپکا۔احمد نظام رک کے انتظار کرنے لگے۔چند لمحے بعد وہ سپاہی واپس آیا اور ان کو بتایا۔

"یہ وہ اس لڑکی کا وکیل ہے۔تالیہ....تالیہ مراد کا وکیل۔"

وکیل۔یعنی اب ایک طویل قانونی جنگ کا آغاز ہونے والا تھا!

احمد نظام نے گہری سانس لی اور آگے بڑھ گئے۔وہ پارکنگ لاٹ تک آئے تھے جب ان کے قدم زنجیر ہوئے۔ایک خیال ان کے ذہن سے ٹکرایا اور اس نے انہیں پتھر کا بت بنا دیا۔

اس ایک عجیب لمحے میں ان پہ انکشاف ہوا تھا کہ تالیہ مراد سچ کہہ رہی تھی۔

اگلے ہی پل وہ تیزی سے آگے کو بھاگے......

☆☆==========☆☆

پہلی رات:۔

وہ انٹیروگیشن روم میں اسی طرح بیٹھی تھی۔احمد نظام جا چکے تھے اور تفتیشی افسر سامنے موجود تھا۔ان کے جانے کے بعد وہ کھنکھار کے گویا ہوا۔

''دیکھیں تالیہ.... میں نے آپ کا بیان سنا ہے.....'' اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''اور میں آپ کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں۔ احمد نظام کافی سخت طبیعت اور چھوٹے ذہن کے آدمی ہیں اور.....''

''اوہ پلیز....'' اس نے بے زاری سے بات کاٹی۔ ''میرے ساتھ گڈ کاپ' بیڈ کاپ مت کھیلیں۔ مجھے آپ سے زیادہ کرتب آتے ہیں۔''

اور دل میں اس نے سوچا تھا۔ یہ ایک ConWoman کو Con نہیں کر سکتے۔ بے وقوف۔

تبھی دروازہ کھلا اور ایک سیاہ سوٹ والا آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دراز قد' جیل لگے بالوں اور سانولی رنگت کا حامل ہندوستانی نقوش کا آدمی تھا جس کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔ اس نے کھٹاک سے ایک فائل میز پہ رکھی تو تفتیشی افسر نے چونک کے سر اٹھایا۔ دراز قد آدمی نے احمد نظام کی خالی کرسی اٹھائی' اور میز کی دوسری جانب تالیہ کے ساتھ لا کے رکھی' پھر کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے بیٹھا۔ تفتیشی افسر نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ایک منٹ..... آپ ایسے کیسے اندر آ گئے۔''

سانولا آدمی گردن موڑ کے تالیہ سے پوچھنے لگا۔ ''انہوں نے کوئی بدسلوکی تو نہیں کی تمہارے ساتھ؟ اور تم نے کچھ کھایا پیا ہے یا نہیں؟'' اس کے انداز میں ایک اپنائیت سی تھی۔ وہ بس نفی میں سر ہلا کے رہ گئی۔

''جناب آپ کی تعریف؟'' تفتیشی افسر نے برہمی سے پوچھا تو اس آدمی نے چہرہ موڑ کے تندہی سے اسے دیکھا۔

''میں تالیہ مراد کا وکیل دولت بن امان ہوں۔'' اپنا کارڈ اس کے سامنے لہرایا اور پھر ناقدانہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ ''کولنگ سسٹم کام نہیں کر رہا کیا؟ آپ نے میری کلائنٹ کو اس گرمی میں بٹھا رکھا ہے؟'' ساتھ ہی ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی۔ ماتھے کے بل ہنوز پڑے ہوئے تھے۔

''آپ غالباً سپریم کورٹ کے سینئر وکیل ہیں۔ ہمارے چھوٹے موٹے تھانوں میں آپ کا آنا جانا کم ہوتا ہے ورنہ آپ کو ہمارے حالات معلوم ہوتے۔'' تفتیشی افسر طنز سے بولا۔ تھوڑی دیر پہلے کی نرم خوئی اب عنقا ہو چکی تھی۔

''واٹ ایور'' دولت امان نے اسی اکھڑے انداز میں ہاتھ جھلایا۔ ''میں تالیہ کو لے جانے آیا ہوں۔ میرا پیرا لیگل ضمانت کے کاغذات آپ کے پولیس کمشنر کے آفس میں لے گیا ہے۔ آپ جا کے دیکھ لیں۔''

''ضمانت؟'' تالیہ چونکی۔ ''مگر کورٹ تو صبح کھلے گا اور.....''

لیکن دولت امان نے ہاتھ اٹھا کے تالیہ کو خاموش کرا دیا۔

''آپ اب کچھ نہیں بولیں گی۔ ایک لفظ نہیں۔ میں آ گیا ہوں نا۔ میں ان کی طبیعت صاف کرنے کے لئے کافی ہوں۔''

وہ درشتی سے کہتا میز پہ آگے کو جھکا اور مٹھیاں باہم پھنسا کے میز پہ رکھیں۔ ایک لمحے میں وہ جان گئی کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔ آنسوؤں کا گولا سا تھا جو اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟ جب آپ کا دل چاہے گا آپ کوئی بھی الزام لگا کے انہیں یہاں لے آئیں گے؟ یہ وان فاتح کی چیف آف اسٹاف ہیں۔ مجھے ہفتہ بھر پہلے سے فاتح نے ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی تلقین کر رکھی تھی۔ میں آج صبح وہ کروا بھی چکا تھا۔ اپنے کمشنر کے پاس جائیں اور میری کلائنٹ کی ہتھکڑیاں کھلوائیں تاکہ میں انہیں ان کے گھر لے جاؤں۔''

دولت امان کی بھاری آواز اور رعب اتنا زیادہ تھا کہ وہ افسر قدرے گڑبڑا کے اٹھا۔ ''میں.... آتا ہوں۔''

وہ دونوں کمرے میں اکیلے رہ گئے تو تالیہ نے لب کھولے۔

''آپ کو.... فاتح نے.....'' الفاظ حلق میں ہی اٹک گئے۔ گلا رندھ گیا۔

''آپ کو کیا لگتا تھا؟ وہ اپنے دوستوں کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں؟'' اب کے وہ نرمی سے گویا ہوا تو بہت سے آنسو اس کے اندر ہی اندر گرنے لگے۔

''فاتح اور میں کلاس فیلوز تھے۔ وہ مجھ پہ بہت بھروسہ کرتا ہے۔ جب سے اس پراسیکیوٹر نے فاتح کے گھر چکر لگانے شروع کیے تھے اس نے مجھے یہ کام کرنے کو کہہ رکھا تھا لیکن مگر میری غلطی ہے کہ میں یہ کاغذات پہلے نہیں تیار کروا سکا۔''

''مگر میرے دستخط کے بغیر....'' وہ کہنے لگی تو جواباً وہ مسکرایا۔

''چے تالیہ.... ہم وکلا زیادہ بڑے کون مین ہوتے ہیں۔'' اور ابرو سے کیمروں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بدقت مسکرا دی۔

''اب آپ کچھ نہیں بولیں گی۔ جو کہنا ہے میں کہوں گا۔ آپ کی خاموشی آپ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ ٹھیک؟''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''مگر وہ انگوٹھی میں نے نہیں چرائی تھی۔ وہ میری تھی۔''

''کون سی انگوٹھی' چے تالیہ؟ وہ جو بغیر کسی گواہ کے پراسیکیوٹر آپ سے لے کر گیا تھا؟ آپ کی وہ انگوٹھی تو Imitation تھی۔ وہ کوئی اصلی تھوڑی تھی۔ جس انگوٹھی کو فرانزک نے صوفیہ رحمٰن کی انگوٹھی قرار دیا ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ آپ کی تھی؟ کیا پراسیکیوٹر یہ بات ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے آپ کی نقلی انگوٹھی کو کسی اصل انگوٹھی سے نہیں بدلا؟''

''میری انگوٹھی نقلی تھی؟ کورٹ یہ مان لے گی؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر آپ کی انگوٹھی اصلی ہوتی تو اس کی مالیت لاکھوں میں ہوتی۔ آپ اسے اس پراسیکیوٹر کو اتنے آرام سے کیوں دیتیں؟ یہی بات ہم کورٹ میں بتائیں گے۔ ایک دن میں یہ کیس خارج ہو جائے گا۔ بس اتنی سی بات تھی۔'' وہ نرمی سے تسلی دے رہا

تھا۔"اور فاتح نے دی تھی نا آپ کو وہ انگوٹھی۔تو جس جیولر سے فاتح نے لی تھی' اس کا بیان بھی شامل کروں گا میں اور اس کو بھی اٹھا کے عدالت میں لے آؤں گا۔آپ نے پہلے فاتح کا نام اس لئے نہیں لیا کہ یہ اسکینڈل نہ بن جائے۔اب آپ سچ بتا دیں گی۔بات ختم۔"

وہ واقعی اچھا وکیل تھا۔لفظوں کے ہیر پھیر سے اس نے سارا کیس ہی پلٹ دیا تھا۔

(اور اگر عدالت میں قرآن پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیا گیا کہ یہ انگوٹھی اس کی تھی یا نہیں تو وہ جھوٹ کیسے بولے گی؟) اس نے سر جھٹکا۔یہ جھوٹ تھا مگر ایک نا کردہ جرم کی سزا سے بچنے کے لئے اسے وہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا کیونکہ قانون ہی اس کا دشمن بنا ہوا تھا۔

"فاتح صاحب نہیں آئے؟" جانے کیوں اس نے پوچھ لیا۔

"نہیں تالیہ۔وہ کیسے آ سکتا تھا۔میڈیا پیچھے آ جاتا اور...." دولت نے بات روک دی۔(اور آپ کی بدنامی ہوتی۔) وہ یہی کہنا چاہتا تھا شاید۔وہ چپ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کمشنر اور تفتیشی افسر اسی کمرے میں ان کے ساتھ کھڑے تھے۔تالیہ کی ہتھکڑیاں اتاری جا رہی تھیں اور وہ معذرت کے ساتھ اس کو بتا رہے تھے کہ اب وہ جا سکتی ہے۔

"پبلک میں کیے جانے والے جرائم کی معافی پبلک میں مانگنی چاہیے کمشنر صاحب۔اگر کل کسی ایک اخبار نے بھی تالیہ مراد کی گرفتاری کی خبر لگائی تو آپ کا آفس تحریری معافی مانگے گا۔سمجھے آپ؟"

دولت امان نے جاتے وقت ابرو اٹھا کے تحکم سے کہا تھا۔وہ سپریم کورٹ کے ان وکلاء کی طرح کا رویہ اپنائے ہوئے تھا جو چھوٹے تھانوں میں آنا اپنی توہین سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے پولیس والے اسے ناپسندیدگی سے گھور ضرور رہے تھے مگر مرعوب بھی تھے۔

"اپنا اسکارف سر پہ لے کر چہرہ چھپا لیں۔ہم تھانے کی عقبی سمت سے باہر جائیں گے کیونکہ ان پولیس والوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔انہوں نے فرنٹ پہ رپورٹرز بلا رکھے ہوں۔" راہداری میں چلتے ہوئے دولت نے آہستہ سے سرگوشی کی اور تالیہ نے ایسا ہی کیا۔وہ بالکل خاموش تھی۔گویا سُن ہو۔اسی خاموشی سے وہ دولت کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی تو دولت نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ساتھ ہی کال ملا کے فون کان سے لگا لیا۔

"فاتح....میں تالیہ کو تھانے سے نکلوا لایا ہوں۔نہیں کسی نے نہیں دیکھا۔نہیں اخبار تک خبر نہیں پہنچے گی۔ہاں یہ اس سے بات کرو۔مگر مختصراً کرنا پلیز۔کالز ریکارڈ ہو رہی ہوں گی۔" اور موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

تالیہ نے فون کان سے لگایا تو وہ فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ ”تالیہ.... تم ٹھیک ہو؟“

اس کا گلا رندھنے لگا مگر بظاہر پرسکون آواز میں بولی۔ ”جی تو انکو۔ دولت صاحب (ایک نظر کار ڈرائیو کرتے دولت کو دیکھا) وقت پہ آ گئے تھے۔“

”دولت میرا بہت اچھا دوست ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے تمہاری مدد کی۔ اب تم کہاں جا رہی ہو؟“

”ابھی ہم میرے گھر جا رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچ کے آپ کو واٹس ایپ پہ کال کرتی ہوں۔“ وہ رکی اور پھر مسکرائی۔ ”تھینک یو فاتح!“ اور اس کا جواب سن کے فون رکھ دیا۔

”ہم فاتح کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں وہاں بیٹھ کے آئندہ کی اسٹریٹجی بنانی ہوگی۔“ دولت اب اتنا پرسکون نہیں لگ رہا تھا جتنا تھانے میں تھا۔ وہ چونکی۔

”یعنی ان کے گھر؟“ فوراً سے عصرہ کا خیال آیا۔

”نہیں۔ بی این کے آفس۔ گھر میں تو اس کی وہ چڑچڑی بیوی ہوگی۔“ اس نے سر جھٹکا اور موڑ کاٹا۔ تالیہ مسکرا دی۔ ایک دم دولت امان زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔

”مگر ضمانت تو ہوگئی۔ اب آگے کیا کرنا ہے؟“

”یہ اتنا آسان نہیں ہے، تالیہ۔ وہ صبح تک ضمانت منسوخ کروا لیں گے۔ تمہیں دوبارہ جیل جانا پڑے گا۔“

اس کا دل ڈوب سا گیا۔ (تو یہ بھیانک خواب ابھی ختم نہیں ہوا تھا؟)

وہ چہرہ موڑ کے شیشے کے پار اندھیرے میں بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگی۔ چند پل خاموشی سے کٹ گئے۔

”میں نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی۔ مجھے وہ اس طرح کیسے.....؟“ اب کی بار آواز بھی رندھ گئی۔ گرفتاری نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔ دولت نے کار سائیڈ پہ روکی اور اس کی طرف رخ کر کے سمجھانے لگا۔

”دیکھو تالیہ!“ تالیہ نے چہرہ موڑ کے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ کسی اجنبی کے سامنے آنکھیں نم کرنا اس کی عادت نہیں تھی مگر اس گرفتاری نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔

”تم وان فاتح تک رسائی کا واحد ذریعہ ہو۔ حکومت نے مہینوں کی محنت کے بعد تمہارے خلاف ایک اسٹوپڈ کیس تیار کیا ہے۔ وہ تمہیں ایسے نہیں چھوڑیں گے۔ مگر میرے پاس ایک حل ہے۔ میں ابھی فاتح سے یہی ڈسکس کر رہا تھا۔“

”کیا؟“

”تم کچھ عرصے کے لئے سنگاپور یا تھائی لینڈ چلی جاؤ۔“

''میں بھاگ جاؤں؟''

''ابھی تمہارا نام کسی ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نہیں ہے۔تم قانونی طور پہ ملک سے باہر جا سکتی ہو۔میں علاج' بیماری وغیرہ کے پیپرز تیار کر دوں گا۔تم آرام سے سال چھ ماہ باہر گزارو۔تب تک الیکشن قریب آ جائیں گے اور یہ سیاسی کیس دب جائے گا۔اگلے سال فاتح وزیر اعظم بن جائے گا اور اس کے دورِ حکومت میں تم واپس آ جانا۔''

''مگر میں بیمار نہیں ہوں' دولت صاحب۔''اس نے چیخ کے بات کاٹی۔''میں جھوٹ بول کے باہر کیوں جاؤں؟ میں کیوں بھاگوں؟ جو جرم میں نے نہیں کیا' اس سے میں کیوں ڈروں؟''

''اور اگر وہ ان جرائم کو سامنے لے آئے جو تم نے کیے ہیں؟''

کار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''تمہیں کلائنٹ بنانے سے پہلے میں نے تمہارے بارے میں تھوڑی بہت چھان پھٹک کی تھی' تالیہ۔تمہارے پاس ملائیشیا کی مختلف شناختیں ہیں' جس کا مطلب ہے کہ تم واقعی Con Woman ہو۔''

''اور آپ نے فاتح کو بتایا؟''وہ بس نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیسے بتا سکتا ہوں؟ میرا لائسنس کینسل ہو سکتا ہے۔وکیل اور کلائنٹ کی کانفیڈینشلٹی پہ میرے جیسا وکیل کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔میرے کلائنٹس تم سے بڑے بڑے مجرم رہ چکے ہیں اور نہ مجھے تمہارے جرائم سے فرق پڑتا ہے نہ فاتح کے جاننے یا نہ جاننے سے۔کسی وکیل کو نہیں پڑتا۔میری جاب تمہیں اس کرائسز سے نکالنا ہے۔''

وہ خاموشی ونڈ اسکرین کے پار اندھیر سڑک کو دیکھنے لگی۔اسٹریٹ پولز کی روشنی بھی کالی رات سے لڑنے میں ناکام دکھائی دیتی تھی۔ان کی کار ایک طرف کھڑی تھی اور دائیں جانب سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔

''میں باہر چلی گئی تو وہ مجھے اشتہاری قرار دے دیں گے۔میرا نام بدنام ہو گا۔''وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''فاتح کو میری وجہ سے سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔سب کہیں گے تالیہ چور تھی' اسی لئے بھاگی۔یہ مجھے ساری عوام کے سامنے دوری نگارہ ملایو بنا دیں گے۔میں واپس آ بھی گئی تو میری کھوئی ساکھ واپس نہیں آئے گی۔کوئی میری عزت نہیں کرے گا' دولت صاحب۔''

اس نے چہرہ موڑ کے ایک عزم سے اسے دیکھا۔''تالیہ نہیں بھاگے گی۔تالیہ اسی شہر میں رہ کے ان کے الزامات کا مقابلہ کرے گی۔''

''یعنی اب ہمیں اس کیس کو قانونی محاذ پہ لڑنا ہو گا۔''

پولیس کارز کے قریب آتے سائرن پہ وہ دونوں ایک دم چونکے۔ دولت گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دور سڑک پہ تین چار کارز آتی دکھائی دے رہی تھیں جن کی سرخ نیلی بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ دولت نے زور سے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔

"ڈیم اِٹ۔ اب ملک سے بھاگنے کا ٹائم نہیں رہا۔ انہوں نے آدھی رات کو کسی جج کو اٹھا کے وارنٹ بنوا لئے ہوں گے۔ ڈیم اٹ۔" وہ واضح طور پہ پریشان نظر آتا تھا۔ وہ اس پریشانی کی وجہ سمجھ رہی تھی۔ تالیہ کا کیس مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا مگر اس نے گردن کڑائے رکھی۔ "میں ان سے نہیں ڈرتی۔"

چار کاریں ان کے آس پاس آ کے رکیں، دروازے کھلے اور ان سے بہت سے سپاہی باہر نکلے۔ سب سے آگے جو شخص چلا آ رہا تھا۔ اس نے سیاہ گھنگریالے بالوں کی پونی بنا رکھی تھی۔ تیکھے نقوش کا مالک وہ آدمی جینز پہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا اور انداز سے اعلیٰ افسر لگتا تھا۔

"یہ حتان ہے۔ شہر کے سب سے بدنام تھانے بالائی بوکیت جلیل پولیس اسٹیشن کا کمشنر۔ یہ اس کو جلا دکھتے ہیں مگر تم اس سے مت گھبرانا۔ بس خاموش رہنا۔" وہ قریب آ رہے تھے۔ وقت کم تھا اور دولت جلدی جلدی سمجھا رہا تھا۔

گھنگریالے بالوں والا مرد دولت کی کھڑکی تک آیا اور جھک کے اندر جھانکا۔

"تالیہ مراد آپ باہر آ جائیں۔ آپ کی گرفتاری...... سوری ناقابلِ ضمانت گرفتاری کے وارنٹ ہیں میرے پاس۔" اور ایک کاغذ لہرا کے دکھایا۔ دولت نے اسے گھورتے ہوئے کاغذ جھپٹا اور اوپر کر کے اسے پڑھا۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے خاموش بیٹھی رہی۔ سپاہی ان کی کار کے گرد اکٹھے ہو چکے تھے۔

"ٹھیک ہے... تالیہ تمہارے ساتھ چلی جائے گی، لیکن...." دولت نے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا تو حتان سیدھا ہو کے ایک طرف ہو گیا۔ دولت دروازہ کھول کے باہر نکلا اور اسے گھور کے آہستہ سے بولا۔ "تمہارا تھانہ میڈیا کے نمائندوں سے بھرا رہتا ہے۔ تم تالیہ کو لے جانے سے پہلے رپورٹرز کو وہاں سے ہٹاؤ گے۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، دولت صاحب۔" حتان نے شانے اچکائے اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

"میری بات سنو حتان۔" وہ درشتی سے بولا۔ "مجھے میری کلائنٹ کی ہتھکڑیاں لگے تھانے میں داخل ہوتی تصاویر اخبار میں نہیں چاہئیں۔"

حتان نے شانے اچکائے۔ "ہمارے تھانے میں کوئی پچھلا دروازہ نہیں ہے اور میں ایک Con Woman کو گرفتار کر کے لے جا رہا ہوں۔ مجھے تو سامنے سے ہی جانا چاہیے۔"

تالیہ کے لئے مزید برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ دروازہ کھول کے چپ چاپ خود باہر نکل آئی۔ ایک سپاہی آگے آیا تو اس نے اپنے ہاتھ سامنے کر دیے۔ ہتھکڑی ایک دفعہ پھر ان کلائیوں پہ لگ گئی۔

دولت نے غصے بھری بے بسی سے سر کی پشت پہ ہاتھ رکھا۔ ''ٹھیک ہے مگر تم میری کلائنٹ کا چہرہ کور رکھو گے۔''

جواباً شان نے محض بازو لہرا کے اسے الوداع کہا۔ ''ہاں ہاں.... کل کورٹ میں ملتے ہیں۔'' اور تالیہ کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

''تالیہ.... ایک لفظ بھی مت کہنا۔ او کے۔ اور میں پیچھے آ رہا ہوں۔'' وہ کار میں بیٹھتے ہوئے چلا کے ہدایات کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ کار کی پچھلی نشست پہ بیٹھی تو ساتھ موجود سپاہی نے ایک سیاہ تھیلا سا اس کے سر پہ پہنا دیا۔ اب اس کا سر کندھوں تک چھپ گیا۔ ہونٹوں کی جگہ سانس لینے کے لئے سوراخ بنے تھے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ (تھانے اور کورٹ کچہری لے جاتے وقت اکثر ملزموں کا چہرہ کیپ، نقاب یا اسی طرح کے سیاہ ڈھاٹوں سے چھپا دیا جاتا تھا تا کہ ان کی اخبار میں چھپی تصویریں ساری عمر کے لیے ان کو شرمندہ نہ کریں کیونکہ ملزم اپنا جرم ثابت ہو جانے سے پہلے تک معصوم ہی تصور کیا جاتا ہے۔)

تالیہ نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ جانتی تھی میڈیا تھانے کی بیرونی سیڑھیوں پہ موجود ہو گا۔ اب کوئی بھی شے اس کے نام اور سیاہ تھیلے میں بند چہرے کو خبروں کی زینت بننے سے نہیں روک سکتی تھی۔

ایک طویل سفر کے بعد جب اسے کار سے اتارا گیا تو وہ اپنے اردگرد دھکم پیل محسوس کر سکتی تھی۔ رپورٹرز کی آوازیں...سوالات.. بے تالیہ بے تالیہ کی پکار.... چور.... کون وو من.... وان فاتح سے تعلق.... اسے سیاہ ڈھاٹے میں بھی کیمروں کے چمکتے فلیش بار بار محسوس ہو رہے تھے۔ یوں لگتا تھا ہر طرف سے رپورٹرز سر پہ چڑھتے آ رہے ہوں۔ تالیہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اسے سانس نہیں آ رہی تھی.... وہ سر جھکائے بدقت زینے چڑھ رہی تھی۔ پولیس آفیسرز اسے رپورٹرز کے نرغے سے بدقت گزار کے اوپر لے جا رہے تھے۔

یہ سب اس کی توقع سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔

کل کی اخبار میں اس کے نام کے ساتھ شہ سرخیاں لگی ہوں گی۔ سارا ملک جان جائے گا۔ بی این کے آفس میں جو لوگ اس کی عزت کرتے تھے.... سوپ پارلر والی.... ایلیٹ سوسائٹی کی سوشلائیٹ عورتیں جن کی پارٹیز میں وہ جاتی تھی.... آرٹ کی دنیا میں موجود اس کے دوست جو اسے ایک آرٹ لور کے طور پہ جانتے تھے.... کل صبح سب جان جائیں گے کہ تالیہ مراد ایک فراڈ تھی۔ عدالت اب اسے بری کرے یا سزا دے، وہ ہمیشہ کے لیے بدنام ہو چکی تھی۔

اندر کمشنر حشان کے آفس میں لا کے اس کے سر کا ڈھاٹہ جھپٹ کے اتارا گیا (کھردرا کپڑا اتارنے سے گردن کی جلد چھل سی گئی) اور پھر ضروری کارروائی کے بعد اس کو لاک اپ میں لے جا کے بند کر دیا گیا۔

لاک اپ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ اس کی چھت کافی اونچی تھی۔ اندر دو دیواروں کے ساتھ بنچ رکھے تھے جن پہ سویا جا سکتا تھا اور سلاخوں والے دروازے کے آگے راہداری تھی۔ یوں لگتا تھا سامنے قطار میں ویسے ہی سیل بنے تھے۔ اسے یہاں سے تین چار سیل ہی نظر آ رہے تھے۔

دونوں بنچ خالی تھے۔ قید کی پہلی رات اس کا کوئی ساتھی نہ تھا۔ وہ ایک بنچ پہ بیٹھ گئی تو ایک سپاہی سلاخوں والے دروازے کو لاک کرنے لگا۔ ساتھ کھڑا حشان اسے گھورے جا رہا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپ محترمہ؟ کہ اس تالے کو کیسے توڑنا ہے۔''

اس نے ایک سرد نگاہ حشان پہ ڈالی۔ ''نہیں۔ مجھے کیا معلوم تالے کیسے توڑے جاتے ہیں۔ (شانے اچکائے) اور بھاگتی تو میں تب جب میں چور ہوتی۔ جب کوئی جرم کیا ہی نہیں تو بھاگوں گی کیوں؟''

حشان تمسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ ''تھانے میں پہلی رات سب یہی کہتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی کرمنل میرے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد پچھلے سارے جرائم کا اعتراف نہ کرلے۔''

''اور تم بھی یاد رکھنا کمشنر کہ ہر چیز کو پہلی دفعہ ہونا ہوتا ہے۔'' اور سینے پہ بازو لپیٹ کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

سپاہی چلے گئے۔ حشان بھی چلا گیا۔ کسی نے ایک دو بتیاں بجھا دیں' اور باقی جلتی رہنے دیں تاکہ قیدیوں کو رات میں بھی اندھیرے کی سکینت میسر نہ ہو۔

سیاہ اسکرٹ اور سفید بلاؤز والی لڑکی کافی دیر بنچ پہ بیٹھی رہی پھر جھک کے ہیلز سے پیروں کو آزاد کیا۔ ننگے پیر ٹھنڈے فرش پہ رکھے اور قید کی پہلی رات کو محسوس کرنا چاہا مگر تمام حسیات مر سی گئی تھیں۔ وہ اندر تک سن ہو چکی تھی۔

کسی بھی صحت مند انسان کے اندر پانچ حسیات موجود ہوتی ہیں۔

سننا' دیکھنا' چھو کے محسوس کرنا' چکھنا اور سونگھنا۔

بعض انسانوں میں چھٹی حس بھی ہوتی ہے اور وہ بہت سی باتیں دیکھے' سنے' سونگھے' چھوئے یا چکھے بغیر بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ مگر قید خانے کی وہ پہلی رات ایک ''سُن'' رات تھی۔ وہ بالکل سُن تھی۔ مفلوج۔ یوں جیسے یہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا تھا۔ یوں جیسے فکر کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ (فاتح اسے بچا لے گا۔ وکیل اسے بچا لے گا۔)

مگر وکیل آیا کیوں نہیں؟

کافی دیر گزری تو وہ اٹھی اور قدم قدم چل کے سلاخوں کے قریب آئی۔ ٹھنڈی سلاخوں پہ اپنے مرمریں ہاتھ رکھے تو وہ بغیر سرخ انگوٹھی کے برہنہ سے لگے۔ تالیہ نے چہرہ آگے کر کے سامنے والے سیل میں جھانکا۔ اس میں ایک عورت کاؤچ پہ لیٹی سو رہی تھی۔ اس سیل کے دائیں بائیں نظر آتے دونوں سیلز میں بھی قیدی تھے۔ کوئی سو رہا تھا' کوئی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے۔ سب کی حسیات مر چکی تھیں۔

"مجھے اپنے وکیل سے بات کرنی ہے۔" سلاخوں کو پکڑے شہزادی تاشہ بلند آواز میں غرائی۔ جواب ندارد۔ اس کی آواز گونج کے پلٹ پلٹ آئی۔

"کوئی ہے؟ کمشنر؟ بات سنو میری۔" اس کی آواز مزید بلند ہو گئی۔

راہداری کے کونے سے ایک سپاہی سامنے آتا دکھائی دیا۔ یہ وہی تھا جو ابھی اس کو مقفل کر کے گیا تھا۔ وہ دروازے کے پاس آرکا اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

"خاتون.... آپ سو جائیں اور باقی سب کو بھی سونے دیں۔"

"مجھے معلوم ہے انچے دولت آئے ہوں گے۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔"

"جی وہ آئے تھے مگر کمشنر شان نے ان کو واپس بھیج دیا۔"

"وہ میرے وکیل ہیں۔ آپ مجھے ان سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔"

"فی الحال تو ہم نے روک دیا ہے۔ صبح عدالت کی پیشی تک آپ ویسے بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔" سپاہی نے کندھے اچکائے اور پلٹ گیا۔ اہانت سے تالیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے زور سے سلاخوں کو جھٹکا دیا۔ وہ بہت مضبوط تھیں مگر تالیہ کی ہمت سے زیادہ نہیں۔

وہ واپس بنچ پہ بیٹھ گئی۔ لمبی اسکرٹ کسی شہزادی کے گھیردار لباس کی طرح پھیلائے وہ کمر سیدھے رکھے کتنی دیر بیٹھی رہی۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ آگے اسے کیا کرنا ہے مگر پانچوں حسیات کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مر سی گئی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ سر دیوار سے ٹکا دیا۔

اردگرد خاموشی تھی۔ نہ کوئی سرگوشی۔ نہ کوئی چیخ و پکار۔ سب خاموش تھے۔ بتیاں ہنوز جلی تھیں۔ جانے کس پل اس نے آنکھیں بند کیں اور ایک دم اگلے ہی لمحے چونک کے کھولیں تو رات بیت چکی تھی۔ وقت کے کھیل بھی انوکھے تھے۔

پہلا دن:۔

وہ ہڑبڑا کے سیدھی ہوئی اور ادھر ادھر دیکھا۔

سامنے راہداری میں رات کی طرح خاموشی نہیں تھی۔ دو تین اہلکار وہاں کھڑے تھے۔ برابر والے سیل میں ایک قیدی غصے سے بولے جا رہا تھا۔ آوازیں' شور' دروازوں کے کھلنے' بند ہونے کی آوازیں۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی اسے چند راہداریوں سے گھما کے کمشنر کے آفس میں لے آئے تھے۔

خان ٹیک لگا کے اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ گھنگریالے بالوں کی کس کے پونی بنا رکھی تھی۔ آنکھوں کا تیکھا پن' اور تمسخرانہ مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ اسے وہ شخص ہر گزرتے لمحے مزید برا لگ رہا تھا۔

''آپ کے وکیل کو آنے سے روک دیا میں نے۔''

وہ سامنے بیٹھ گئی تو وہ بتانے لگا۔ وہ بس تیکھی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''میں تمہارا چہرہ بھی یاد رکھوں گی' کمشنر۔''

وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔ پھر ایک اخبار اس کے سامنے دھکیلا۔ تالیہ نے محض نظریں جھکا کے فرنٹ پیج پہ نظر ڈالی۔

وان فاتح کی چیف آف اسٹاف تالیہ مراد چوری کے الزام میں گرفتار۔

نیچے اس کی ایک تصویر تھی۔ رپورٹرز کے ہجوم میں سے گزر کے خان اور دوسرے اہلکار اسے سیڑھیوں کے اوپر لے جا رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ سیاہ کپڑا تھا اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے سلگتی نظریں اٹھا کے خان کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

''آپ کے وکیل نے آج پھر درخواست کی ہے کہ آپ کو کسی پچھلے دروازے سے عدالت لے جایا جائے۔ مگر میں صرف سیاہ کپڑے والی کرٹسی دکھا سکتا ہوں۔''

''اس سیاہ کپڑے کا کیا فائدہ جب آپ میڈیا کو پہلے ہی ٹپ کر دیتے ہیں کہ آپ تالیہ مراد کو گرفتار کر کے لا رہے ہیں اور وہ پہنچ جاتے ہیں؟'' اس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں گود میں تھیں اور وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

''یہ باتیں آپ کو جرائم کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھیں۔ میں اب سارے میڈیا کو تو وہاں سے نہیں ہٹا سکتا نا۔''

''میں نے کہا نا۔ میں تمہارا چہرہ یاد رکھوں گی' کمشنر۔'' وہ پرتپش نظریں اس پہ جمائے بولی تھی۔

عدالت تک کا سفر پچھلی رات سے زیادہ توہین آمیز تھا۔ آج دھوپ کے باعث فلیش چمکتے محسوس نہیں ہوتے تھے۔

عدالت کی عمارت کے باہر اترتے ہی رپورٹرز کی تیز آوازیں....اور پولیس اہلکاروں کا اسے ہجوم سے گزارنا....شان کا فاتحانہ انداز میں رپورٹرز کو نو کمنٹس نو کمنٹس کہنا....وہ دانتوں سے نچلا لب دبائے کسی نابینا انسان کی طرح راہداریاں عبور کرتی رہی۔اس کا مستقبل بھی اسی اندھیرے جیسا ہو چکا تھا۔تالیہ مراد ہر روز اخبار کی سرخی بنے گی اور کوئی یقین نہیں کرے گا کہ اب وہ ویسی نہیں تھی۔

اسے اپنی بصارت عدالتی کمرے میں واپس ملی۔اس دفعہ شان نے رگڑنے والے انداز میں کپڑا کھینچا۔وہ جب بھی اس کے سر سے کپڑا اتارتا تھا انداز میں ایک عجیب حقارت ہوتی تھی۔(وہ اس کا چہرہ یاد رکھے گی۔) تالیہ نے ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے بال سامنے سے ہٹائے اور آنکھیں متعدد بار جھپکیں۔دھندلا منظر واضح ہوا۔

"تم ٹھیک ہو؟ کوئی غلط سلوک تو نہیں کیا گیا تمہارے ساتھ؟"

وہ ڈیفنس کی چیئر پہ بیٹھی تھی اور ساتھ موجود شخص پوچھ رہا تھا۔اس نے آنکھیں دوبارہ جھپکائیں تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔

وہ دولت امان تھا اور فکرمند نظر آ رہا تھا۔تالیہ نے بے اختیار اس کے اردگرد نظریں دوڑائیں۔پھر پلٹ کے دیکھا۔کمرہ عدالت کے خالی بنچ آہستہ آہستہ بھرے جا رہے تھے۔اجنبی چہرے۔ناشناسا لوگ۔

"فاتح صاحب نہیں آئے؟" جانے کس امید کے تحت اس نے پوچھا۔

"نہیں تالیہ۔یہاں میڈیا والے بہت تھے۔اس لئے۔خیر....فکر نہ کرو۔آج تمہاری ضمانت ہو جائے گی۔"

مگر وہ گردن موڑ موڑ کے دیکھ رہی تھی۔"اور ایڈم؟"

"وہ جرنلسٹ؟ وہ رات کی فلائیٹ سے اپنی بک لانچ کے لیے سنگاپور چلا گیا تھا۔اس کو صبح خبر ملی تو اس نے مجھ سے رابطہ کیا۔شام تک وہ پہنچ جائے گا۔"

"اور داتن؟"

"شش۔" وہ اس کی طرف جھکا۔"پولیس لیانہ صابری کو ڈھونڈ رہی ہے۔اس کا نام بھی پولیس رپورٹ میں تمہاری ساتھی مجرم کے طور پہ درج ہے۔وہ رات کو ہی روپوش ہو گئی تھی۔"

تالیہ ایک دم بالکل چپ ہو گئی۔بھرے مجمع میں وہ بالکل تنہا تھی۔

داتن کی مجبوری وہ سمجھ سکتی تھی۔ایڈم تو خیر تھا نہیں ملک میں۔مگر وان فاتح....ان کو تو آنا چاہیے تھا۔اپنا سیاسی کیریئر داؤ پہ لگا کے بھی آنا چاہیے تھا۔

"تالیہ ڈونٹ وری۔وہ سب تمہارے ساتھ ہیں۔" دولت نے اس کا چہرہ بجھتے دیکھا تو تسلی دی۔وہ سلوٹ زدہ پیشانی

لئے سامنے دیکھتی رہی۔ "وہ سب تمہارے لیے فکرمند ہیں مگر ان سب کی مجبوریاں تھیں۔"

"آپ کیوں آئے پھر؟ آپ بھی نہ آتے۔" پھر چہرہ موڑ کے انہیں غصے سے دیکھا۔ "یو نو واٹ۔ مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ میں اپنا کیس خود لڑوں گی۔ کہیں میری وجہ سے آپ کی نیک نامی پہ بھی حرف نہ آ جائے۔"

"فاتح نے مجھے کہا تھا کہ تم یہی کہو گی اور اسی لئے اس نے مجھے تمہارا وکیل بنایا ہے۔ کیونکہ تم جو بھی کہو میں تمہیں چھوڑ کے نہیں جانے والا۔ مجھے فاتح سے اپنی دوستی بہت عزیز ہے۔" دولت امان سکون سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جج آ چکا تھا اور کارروائی شروع ہو چکی تھی۔

تالیہ نے پراسیکیوشن کی ٹیبل کی طرف دیکھا تو وہاں ایک غیر شناسا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ چونکی۔

"پراسیکیوٹر احمد نظام کہاں ہیں؟"

"صبح ہی صبح ان کا بڑا بھائی اور اس کی بیوی کار حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ اس لئے وہ نہیں آ سکے۔ ان کا ڈپٹی پراسیکیوٹر کیس لڑ رہا ہے۔"

اس نے نوجوان وکیل کی طرف اشارہ کیا اور تالیہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئی۔ (خونی دانت...وہ احمد نظام کے بیمار ماں باپ نہیں تھے۔ بھائی اور بھابھی تھے۔) بے شک وہ احمد نظام کو خبردار کر چکی تھی، مگر کسی کی موت کا سننا ہمیشہ افسوسناک ہوتا ہے۔

احمد نظام کا ڈپٹی ان سے زیادہ تیز طرار واقع ہوا تھا۔ چند منٹ میں اس نے جج کے سامنے نہ صرف دولت امان کی ضمانت کی درخواست کے خلاف شاندار دلائل دیئے، بلکہ پولیس کی طرف سے رپورٹ بھی پیش کر دی جس کے مطابق تالیہ مراد ایک خطرناک حد تک ذہین اور شاطر مجرمہ تھی جو ملک سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتی تھی۔ پولیس نے اس کو سات دن کے لیے تھانے میں رکھنے کی درخواست کی تھی اور دولت کے مسلسل اختلاف اور احتجاج کے باوجود جج نے صرف ایک سپاٹ نظر اس ملزم لڑکی پہ ڈالی جو بے خوف، چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی اور فیصلہ پولیس رپورٹ کے حق میں سنا دیا۔

وہ سب صوفیہ رحمٰن کے غلام تھے۔ وہ سب ایک اسکرپٹ کے تحت کام کر رہے تھے۔ اسے شدید ذہنی اذیت میں ڈال رہے تھے۔ وہ سب سمجھ رہی تھی۔

عدالت سے واپس تھانے جاتے وقت رپورٹرز کے سوالات میں سنسنی آ گئی تھی۔

"تالیہ مراد...وان فاتح پہ آپ کو ڈس اون کرنے کے لئے پارٹی کی طرف سے بہت دباؤ ہے۔ کیا وہ ہار مان لیں گے؟"

کار آگے بڑھ گئی اور اس کے ذہن میں وہ الفاظ پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگے۔

مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ فاتح...غلام فاتح...قدیم ملاکہ کا فاتح...جدید ملائیشیا کا فاتح...وہ اتنا کمزور نہیں تھا کہ دباؤ پہ

پگھل جاتا۔اسے یقین تھا کہ وہ اس کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔وہ اسے چھوڑ بھی کیسے سکتا تھا؟

اسے آتش بازی والی رات یاد تھی اور وہ فاتح کو بھی یاد ہوگی۔

ہے نا؟

اندر سے کسی نے پوچھا۔(ہے نا؟)

آج اسے جس سیل میں لے جایا گیا' اس کا دروازہ سلاخوں والا تھا اور سامنے دیوار تھی۔یعنی دوسرے سیل دکھائی نہیں دیتے تھے۔وہ خطرناک قیدیوں کا الگ تھلگ سا سیل تھا اور اندر دو تین عورتیں پہلے سے موجود تھیں۔ان کا سامان سیل میں بکھرا پڑا تھا۔

وہ عورتیں ایک ہی بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی' سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں۔تینوں نے کھلے کھلے نارنجی لباس پہن رکھے تھے۔اسے آتے دیکھ کے خاموش ہوئیں اور سر موڑ کے اسے دیکھنے لگیں۔تالیہ ان کو دیکھنے کی بجائے اپنے خالی بیڈ پہ جا کے بیٹھ گئی۔پھر گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔اونچی چھت والی نیم اندھیری وہ کوٹھڑی انتہائی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔سپاہی چلے گئے اور دروازہ مقفل ہو گیا تو اس نے نظریں موڑ کے ان عورتوں کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ان کی نظریں چبھتی ہوئی اندر تک اتر جانے والی تھیں۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" ایک نے سوال کیا۔شہزادی نے چہرہ موڑا اور اپنے بستر پہ ہاتھ پھیر کے گرد صاف کرنے لگی۔

جواب نہیں دیا۔

"یہ وان فاتح کی سیکرٹری ہے۔میں نے اسے ٹی وی پہ دیکھ رکھا ہے۔" ایک عورت تنفر سے بڑبڑائی۔اس کے لہجے کی تپش چونکا دینے والی تھی مگر وہ بے حس بنی بستر جھاڑتی رہی۔اس کی ساری حسیات مر چکی تھیں۔نہ وہ کچھ دیکھ رہی تھی۔

نہ وہ سن رہی تھی۔

نہ زبان پہ ذائقہ محسوس ہوتا تھا۔

نہ کوئی خوشبو سونگھ سکتی تھی۔

نہ کسی شے کو چھونے پہ کوئی احساس ہوتا تھا۔

پانچوں حسیات سُن تھیں۔

وہ چت لیٹ گئی اور اونچی چھت کو دیکھنے لگی۔

اسے کچھ نہیں کھانا تھا' نہ کسی سے بات کرنی تھی۔اسے خاموشی سے اس وقت کے کٹنے کا انتظار کرنا تھا......

فاتح اسے بچالے گا۔وکیل اسے بچالے گا۔

دوسری رات:۔

لیٹے لیٹے کافی دیر بعد اسے نیند آئی تھی۔ نیند کی اس کیفیت میں اس کی پانچوں حسیات مزید غافل ہو گئی تھیں۔ دماغ اندھیرے میں ڈوب چکا تھا...داتن کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوتی تھی...."اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟" مگر وہ سننے کی حس سے مفلوج تھی سو وہ الفاظ اثر نہیں کرتے تھے...اور تب....اچانک سے.....اس کی پہلی حس جاگی۔

لمس کو اپنی جلد پہ محسوس کرنے کی حس۔

کسی نے تالیہ کے چہرے پہ تکیہ رکھ دیا تھا۔

اس کی آنکھ تکلیف کے احساس سے کھلی مگر بصارت کے سامنے اندھیرا تھا۔ایک قیدی عورت تکیہ اس کے منہ پہ رکھ کے دبا رہی تھی اور دوسری ایک چھڑی کو زور زور سے اس کے جسم پہ مار رہی تھی۔

"صوفیہ رحمن نے ہمارے علاقے میں ہسپتال بنوایا تھا۔صوفیہ رحمن کی وجہ سے میرے بیٹے کی جان بچی تھی اور اس لڑکی اور اس کے باس نے ٹی وی پہ صوفیہ صاحبہ کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔"

"تمہیں مر جانا چاہیے تاکہ وزیر اعظم تم سے محفوظ رہیں۔"

وہ عورت غراتے ہوئے تکیہ اس کے چہرے پہ رکھے دبا رہی تھی۔تالیہ نے کرنٹ کھا کے ہاتھوں سے اس کے بازوؤں کو دور ہٹانا چاہا مگر اس عورت کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم جیسی سیاسی عورتیں زندہ رہنے کے قابل نہیں ہو۔تم ہماری لیڈر کی دشمن ہو۔" چھڑی مارنے والی عورت زور زور سے کہہ رہی تھی۔تالیہ بستر پہ تڑپتے ہوئے پیر ادھر ادھر مار رہی تھی۔اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔

"اب تم صوفیہ رحمن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکو گی۔"

ایک دم تالیہ نے اپنے ناخن تکیے والی کے ہاتھوں میں گاڑھے۔اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ اسے دھکا دے کر اٹھی۔

دوسری عورت نے اسے گردن سے پکڑ کے واپس گرانا چاہا مگر اس نے زخمی شیرنی کی طرح اس کی کلائی پکڑ کے مروڑی۔

"خبردار جو کسی نے مجھے ہاتھ لگایا۔" اس کو کلائی سے جھٹکا دے کر پرے گرایا مگر پہلی عورت تب تک اٹھ چکی تھی۔وہ تالیہ کے پیچھے تھی۔اس سے پہلے کہ تالیہ مڑتی' اس نے اسٹیل کا گلاس زور سے اس کے سر پہ مارا۔

لمحے بھر کو تالیہ کا سر گھوم گیا۔ درد... اندھیرا... سماعت میں ہوتا سائیں سائیں...... اگلے ہی پل ایک عورت نے اسے گردن کے پیچھے سے دبوچا اور زور سے زمین پہ دھکا دیا۔

چوٹ شدید تھی۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ خون کے قطرے گردن پہ پھسلتے محسوس کر سکتی تھی۔ دماغ اتنی بری طرح گھوما تھا کہ چند لمحے وہ اٹھ نہیں سکی۔

”تم نے میری لیڈر پہ الزام لگایا۔ فاتح کی بیٹی کے قتل کا۔ تمہیں مر جانا چاہیے۔“ وہ عورت غصے میں دیوانہ وار اس پہ چھڑی برسا رہی تھی۔ اور تالیہ چہرے کے آگے بازو کیے خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ چھڑی اس کے بازوؤں پہ خون کی لکیر چھوڑ رہی تھی۔ وہ عورت ساتھ ساتھ گالیاں بھی دیے جا رہی تھی۔

”میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ میں تمہیں.....“

”تم مجھے کیا؟“ اس نے ایک دم چہرے کے سامنے سے بازو ہٹائے اور ساتھ گرا اسٹیل کا گلاس اٹھا کے زور سے اس عورت کے منہ پہ مارا۔ وہ عورت اس حملے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ تیورا کے پیچھے کو گری۔ دوسری عورت اس کی طرف بڑھی مگر تب تک تالیہ اپنے قدموں پہ کھڑی ہو چکی تھی۔

پہلی عورت ابھی تک زمین پہ گری پڑی تھی۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ تالیہ ننگے پاؤں آگے بڑھی‘ گری ہوئی چھڑی اٹھائی‘ اور زمین پہ سر پکڑے عورت کی طرف بڑھی۔

”تم نے مجھے ہاتھ کیسے لگایا۔“ شہزادی تاشہ غصے سے چلاتے ہوئے اس عورت کی گردن دبوچ کے بولی اور اسے زور سے جھٹکا دیا۔ پھر وہی چھڑی اس کے اوپر پوری قوت سے ماری۔

”میں تم سب کی جان لے لوں گی۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ۔“

وہ زور زور سے اسی چھڑی سے اس عورت کو مارے جا رہی تھی۔ سیاہ بال بکھرے تھے‘ سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا‘ بازوؤں پہ خون کی لکیریں پڑی تھیں اور وہ ننگے پاؤں کھڑی اس کو مارے جا رہی تھی۔

”گارڈ... گارڈ...“ دوسری عورت حواس باختہ ہو کے سلاخ دار دروازے کی طرف بھاگی اور سلاخوں کو پکڑے زور زور سے چلانے لگی۔ تالیہ نے سرخ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا‘ پھر چھڑی پرے پھینکی‘ کرسی اٹھائی اور جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

”گارڈ... ادھر آؤ.... یہ مجھے مار دے گی۔“ عورت کے چہرے پہ واضح خوف تھا۔ وہ زور زور سے چلانے لگی۔ تالیہ تیزی سے آگے آئی اور کرسی اس کے اوپر دے ماری۔ عورت نیچے گر گئی مگر اس نے کرسی نہیں چھوڑی۔ وہ کرسی کی ٹانگ سے اس کے

اوپر دیوانہ وار ضربیں لگا رہی تھی۔

''میں تالیہ مراد ہوں۔ میں مراد راجہ کی بیٹی ہوں۔ میں وان فاتح کی بیوی ہوں۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ۔'' وہ جارحانہ انداز میں اس کو کرسی سے مارے جا رہی تھی۔ ''تمہارے جیسے کرمنلوں کی لیڈر ہے صوفیہ.... جا کے اپنی ملکہ سے کہہ دینا کہ میں اس کی بھی جان لے لوں گی۔ میں تم سب کے چہرے یاد رکھوں گی۔''

دوڑتے قدموں کی آواز آئی اور پھر بہت سی بتیاں روشن ہو گئیں۔ پولیس اہلکار بھاگتے ہوئے آئے اور دروازہ کھولا۔ تالیہ نے سرخ چہرہ اٹھا کے نفرت سے ان کو دیکھا اور کرسی پرے پھینک دی۔

سیل کا منظر سب کو ویسے ہی ہکا بکا کر گیا تھا۔ زمین پہ گرا خون... تکیے... کرسی.... چھری.... اور ایک طرف ہائے ہائے کرتی لہولہان چہرے والی عورت ...... اور ان سب کے درمیان کھلے بالوں اور خون آلود کپڑوں والی لڑکی سرخ آنکھوں کے ساتھ کھڑی ان کو دیکھ رہی تھی۔

''اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔'' وہ حلق کے بل غرائی تھی۔

سپاہی اس کو کچھ کہے بغیر جلدی جلدی سیل میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگے۔ دونوں عورتوں کو باہر لے جایا گیا اور پیرامیڈکس کو کال کی جانے لگی۔

وہ اب سیل کے کونے سے لگی کھڑی تھی اور اس کے سر سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

وہ محسوس کرنے کی رات تھی۔ درد' بے بسی اور غصہ محسوس کرنے کی رات!

اس رات اس کی محسوس کرنے کی حس جاگ گئی تھی۔

دوسرا دن:۔

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے درمیان میں میز رکھی تھی اور اطراف میں دو کرسیاں۔ کمرے کی چھت خاصی اونچی تھی اور اس کے روشن دان سے سورج کی روشنی چھن کے اندر آ رہی تھی۔ دولت صاحب نے فکرمندی سے سامنے کرسی پہ بیٹھی تالیہ کو دیکھا جس نے قیدیوں والی جامنی ٹراؤزر شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے سر پہ پٹی بندھی تھی۔ ہونٹوں اور کنپٹی پہ زخم نظر آ رہے تھے۔ ایک آنکھ کے قریب نیل پڑا تھا۔ مڑے ہوئے آستینوں سے بازوؤں پہ پڑے نیل اور سرخ نشان بھی واضح تھے۔ اس کا چہرہ مردنی لئے ہوئے تھا۔ ویران اور بے رونق۔ وہ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی تھی اور بس ان کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اس تھانے کے لوگ انسان نہیں' جانور ہیں۔'' دولت اس کو دیکھ کے غم و غصے سے کہہ رہا تھا۔

"فاتح صاحب نہیں آئے۔" کافی دیر بعد اس نے سوال کیا۔

"یہ سب حشان نے خود کروایا ہے' مجھے یقین ہے۔ ورنہ وہ عورتیں تمہیں مارتی رہیں' اور گارڈز بے خبر رہے؟ یہ ناممکن ہے۔ میں نے کورٹ میں درخواست دے دی ہے۔ تمہاری جان کے خطرے کے پیش نظر مجھے تم سے روز ملاقات کی اجازت مل گئی ہے۔"

"فاتح صاحب کیوں نہیں آئے؟" وہ بس اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"اس کے کچھ پرابلمز تھے۔ مگر وہ مسلسل میرے ساتھ رابطے میں ہے اور تمہارا حال احوال پوچھتا رہتا ہے۔"

"اور ایڈم؟ وہ واپس کے ایل نہیں آیا؟"

"وہ آ گیا تھا مگر کل رات تیز طوفان کی وجہ سے اس کے گھر اور قریبی مکانات کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ یوں اس کا گھر ایک پسماندہ علاقے میں ہے۔ تم نے ٹی وی پہ....." دولت گڑبڑا کے جیسے اپنی بات روکی۔ (بھلا وہ ٹی وی کیسے دیکھ سکتی تھی؟ البتہ فجر کے بعد سے دو گھنٹے تک وہ زخمی حالت میں طوفان کی چنگھاڑ اور موسلا دھار بارش کی آواز سنتی رہی تھی۔)

تالیہ چپ چاپ سامنے والی دیوار کو دیکھنے لگی جو کافی اوپر جا کے چھت سے ملتی تھی۔ اس کی نظریں خالی تھیں اور یہ دیکھنا معنی نہیں رکھتا تھا کیونکہ بصارت کی حس مفلوج تھی۔ صرف درد محسوس ہوتا تھا۔ کمرے کی سفاک ٹھنڈ محسوس ہوتی تھی۔ دل کے زخم کا ادھیڑے جانا محسوس ہوتا تھا۔

"تالیہ.... ہم جلد تمہیں یہاں سے نکال لیں گے۔ تم بس حوصلہ نہ ہارنا۔" وہ اب نرمی سے اسے تسلی دے رہا تھا۔ "اگر فاتح کے لئے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دو۔ میں یہاں سے اسی کے پاس جا رہا ہوں۔ ابھی وہ آفس میں ہوگا۔ گھر میں تو اس کی بیوی کا الگ تماشہ ہوتا ہے۔"

اس نے آنکھیں اٹھا کے دولت امان کو دیکھا تو ان آنکھوں میں امید تھی۔

"آپ ان سے کہیے گا کہ مجھے ان کی ضرورت ہے اور ان کو میری۔ وہ میرے ساتھ رہیں جیسا کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا۔"

"میں کہہ دوں گا۔ اگر تم چاہو تو اس کو کوئی نوٹ یا خط وغیرہ لکھ سکتی ہو۔" وہ جیب سے قلم نکالنے لگا تو تالیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے خط لکھنے نہیں آتے۔ بس آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ وہ مجھ سے ملنے آئیں۔"

دولت چلا گیا تو اس کی جگہ اسی کرسی پہ حشان آ کے بیٹھ گیا۔ اس کی جیکٹ اور پونی میں بندھے گھنگریالے بال بھیگے ہوئے

تھے۔ باہر سے ہلکی ہلکی بارش برسنے کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ اسی بارش نے ایڈم کو آنے نہیں دیا تھا۔ پہلی دفعہ تالیہ کو بارش سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

"تو پھر شروع کریں۔ بے تالیہ؟" خنان نے طنزیہ آواز میں کہنا شروع کیا۔ "آپ نے وہ انگوٹھی کیوں چرائی؟"

تالیہ کے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ میز پہ تھے اور کمر سیدھی رکھے وہ بے تاثر نظروں سے خنان کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس انگوٹھی کو چرانے کے لئے آپ کو وان فاتح نے کہا تھا؟ آخر وہ آپ کے باس تھے۔ کیا وہ اس طرح صوفیہ رحمٰن کو ہرٹ کرنا چاہتے تھے؟"

(وہ جانتی تھی ان سب کا یہی مقصد تھا۔ وہ اسے فاتح کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے۔)

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فاتح کے خلاف ایک لفظ بھی بولوں گی تو تم مجھے نہیں جانتے خنان۔ تم میرے ذریعے فاتح کو کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔"

"اور وان فاتح تمہارے خلاف بولنا شروع کر دے تو؟"

وہ اسی اطمینان سے اسے دیکھتی رہی۔ "ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ خواب دیکھنا بند کر دو۔"

"اور جس دن ایسا ہوا نا..... تالیہ اس دن تم ان سارے جرائم کی تفصیل خود بتاؤ گی جو تم نے اس کے لئے کیے ہیں۔"

تالیہ نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ "تم میرے وہ پہلے دشمن ہو جو میرے ساتھ کیے گئے ظلم کا بدلہ پائے گا۔"

مگر خنان کو ذرہ برابر بھی فرق نہ پڑا۔ اس نے کمرے کی بتیاں بجھا دیں اور چھت سے لٹکتا واحد بلب جلا دیا۔ روشنی کا ٹارچر عذاب تھا۔ بتی جلتی، بجھتی اور پھر جلتی۔ وہ سر میں درد کرنے والی تھی اور ایسے میں وہ اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے سوالات کر رہا تھا۔

قانون کے مطابق وہ اس پہ ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا اور وہ خاموش رہ سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے اسے رات کو پلاءنڈ عورتوں سے پٹوایا تھا۔

تالیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ سماعت کی حس مفلوج تھی۔ اس لیے خنان کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

اس نے خود کو یہاں سے دور کہیں تصور کرنا چاہا۔ ملاکہ کے کسی پھولوں سے بھرے باغ میں جہاں صرف وہ ہو اور گھوڑے کی باگ تھامے وان فاتح ہو.... اور وہ گھاس پہ چلتے ہوئے باتیں کر رہے ہوں۔

مگر یہ منظر تصور میں بن کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

(اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ہم ایک دن کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟)

تصورات کا تعلق بھی چھٹی حس سے ہوتا ہے۔ اس حس کو جگانے کے لئے باقی پانچ حسیات کا موجود ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لیے اس کا تصور بار بار ٹوٹتا تھا۔ داتن کی ملامتی آواز.... بلب کی چبھتی روشنی.... جنان کے الفاظ.... سب اسے شدید ذہنی دباؤ میں ڈال رہے تھے مگر ایک بات طے تھی۔

تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔

تیسری رات:۔

رات کو اسے ایک دوسرے سیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ پہلے قید خانے سے چھوٹا تھا۔ دیواریں انہی رنگوں کی اونچی سی تھیں۔ فرش پہ دو طرف لوہے کے بیڈز رکھے تھے۔ ایک بستر پہ ایک چینی لڑکی لیٹی تھی۔ دوسرا خالی تھا۔ تالیہ دونوں بیڈز کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے زمین پہ بیٹھی تھی۔ بازو سینے پہ لپیٹ رکھے تھے اور ماتھے کی پٹی ویسے ہی بند تھی۔ اس کی آنکھیں خلاء میں دیکھے جا رہی تھیں۔

''کیا تم مجھے سن رہی ہو؟'' تکیے پہ سر رکھے لیٹی لڑکی نے گردن موڑ کے اسے پکارا تو وہ چونکی۔

کیا وہ سن رہی تھی؟ کیا وہ لڑکی بار بار اسے پکار رہی تھی؟ وہ کمرے کا اندھیرا، زخموں کا درد، فرش کی ٹھنڈک، سب محسوس کر سکتی تھی مگر سننا.... سننا اس نے چھوڑ رکھا تھا۔ چاہے جنان کی باتیں ہوں یا دولت امان کی تسلیاں، یا داتن کی ملامتی آواز.... وہ کچھ بھی سمجھے بغیر بس سنے جاتی تھی.... اپنی سوچتی رہتی تھی.... مگر اس لڑکی کی آواز نے اس کی سماعت کی حس کو جگا دیا تھا۔

''کیا؟'' وہ چونک کے بولی۔

تالیہ کی ساتھی قیدی کہنیوں کے بل بستر پہ اوندھے لیٹی اور غور سے سامنے زمین پہ بیٹھی تالیہ کو دیکھا۔

''یہ تمہیں اتنی چوٹیں کیسے آئی ہیں؟''

وہ چپ رہی۔ ہاں وہ اب سن سکتی تھی۔

''اگر تو تمہیں قیدی عورتوں نے مارا ہے تو مجھے یقین ہے یہ گارڈز نے خود کروایا ہوگا۔''

وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ وہ جو بیس پچیس سال کی خوش شکل چینی لڑکی تھی اور اس کا بات کرنے کا انداز سادہ اور برجستہ تھا۔

تالیہ اب الفاظ سمجھنے لگی تھی۔

"چھ دن پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو پہلی رات میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔"

نیم اندھیر کمرے میں بستر پہ اوندھی لیٹی لڑکی اپنی لے میں بولے جا رہی تھی۔

"میں نے اپنے سوتیلے باپ کو مارا تھا۔ مگر وہ سیلف ڈیفینس تھا۔ خود کو بچانے کے لئے انسان پھر اور کیا کرے؟ مگر میری ماں میری دشمن بن گئی۔"

وہ اداسی سے کہے جا رہی تھی اور تالیہ بس اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی سماعتوں سے بہت سی آوازیں بیک وقت ٹکرا رہی تھیں۔ قریب میں نل کا ٹپکتا پانی' باہر گارڈ کے جوتوں کی آہٹ جو کبھی قریب آتے کبھی دور چلے جاتے۔ اور اس اداس لڑکی کی باتیں۔

"اور میرا شوہر... اس نے بھی دوسروں کا یقین کیا' میرا نہیں۔ میرا بیٹا چھ ماہ کا ہے مگر میں نے اتنے دن سے اسے نہیں دیکھا۔ مجھ سے تو کوئی ملنے بھی نہیں آتا۔ کم از کم تم سے کوئی ملنے تو آ جاتا ہے۔"

وہ بس خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ لڑکی اٹھ کے بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹنے لگی۔ اس کے چہرے کے نیل ابھی تک نظر آ رہے تھے۔

"تم نے کیا جرم کیا تھا؟"

جواب نہ آیا تو بالوں کو پونی میں باندھ کے وہ گردن موڑ کے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم نے بھی سیلف ڈیفینس میں مارا تھا کسی کو؟"

دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تالیہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"تم سن رہی ہو؟"

"ہاں۔ میں سن رہی ہوں۔ اب میں سننے لگی ہوں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"تو پھر بتاؤ... تم کیوں ہو اس جیل میں؟"

تالیہ اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنی میز تک آئی۔

"حنان سے کہنا کہ اب تالیہ اچھے سے سننے لگی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے دیوار پہ لگا آئینہ اتارا اور زور سے زمین پہ گرا دیا۔ آئینہ فرش سے ٹکراتے ہی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

بستر پہ بیٹھی لڑکی دم بخود رہ گئی۔

تالیہ نے تکیے کا غلاف کھینچ کے اتارا' اور اس کو ہاتھ پہ لپیٹ کے آئینے کا ایک لمبا سا ٹکڑا اٹھایا جو بڑے سے چھرے کے برابر تھا۔ جوتے کی نوک سے کرچیاں ایک طرف کیں اور اس لڑکی کے بستر کی طرف بڑھی۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"رشان سے کہنا کہ اسے تم سے بہتر ایجنٹ ڈھونڈنی چاہیے تھی تالیہ کی دوست بنا کے اس سے راز اگلوانے کے لئے۔ لیکن خیر... وہ جس کو بھی لے آتا... تالیہ کو فرق نہیں پڑتا کیونکہ تالیہ... اب... سننے لگی ہے۔"

وہ غراتی ہوئی اس کے بستر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لڑکی بدک کے پیچھے ہٹی اور پھر جلدی سے بستر سے جست لگا کے اتری۔

"اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ' اور رشان سے کہو وہ خفیہ پولیس کی جس عورت کو بھی میرے سیل میں ان جعلی نیلوں کے ساتھ پلانٹ کرنے کی کوشش کرے گا' وہ اپنی جان سے جائے گی۔" وہ غراتی ہوئی قریب آ رہی تھی۔ ننگا تیز دھاری شیشہ ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ لڑکی تیزی سے سلاخوں تک آئی اور زور زور سے آوازیں دینے لگی۔

"مجھے نکالو یہاں سے۔ یہ لڑکی پاگل ہے۔ مجھے مار دے گی۔"

اگلے ہی لمحے گارڈز بھاگتے آئے۔ تالیہ سیل کے وسط میں رک گئی۔ شیشہ اس کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ سلگتی آنکھوں سے اس نے گارڈز کو دیکھا۔

"دوبارہ اگر کوئی عورت میرے سیل میں بھیجی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تالیہ سے برا کوئی ہے بھی نہیں ہے۔"

یہ کہہ کے اس نے شیشہ پرے اچھال دیا۔ وہ زمین پہ گرتے ہی کرچیوں میں بکھر گیا۔

ایک گارڈ نے جلدی سے اس لڑکی کو باہر نکالا اور دوسرا گارڈ بغیر کچھ کہے آگے آیا اور شیشے کی کرچیاں اٹھانے لگا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ تالیہ کے اس عمل کی شکایت کرنے کے اہل نہیں تھے کیونکہ وہ لڑکی ان کی ساتھی تھی۔ اس لیے جلدی جلدی فرش صاف کر کے وہاں سے نکل گئے۔ دروازہ ایک دفعہ پھر مقفل ہو گیا۔

تیسرا دن:۔

ملاقاتی کمرے کی دیوار پہ خاموش سی مردنی چھائی تھی۔ وسط میں رکھی میز بھی چپ چاپ اپنے اردگرد بیٹھے دونوں نفوس کو دیکھ رہی تھی۔ تالیہ اسی جامنی ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ میز پہ رکھے تھے اور سیاہ بالوں کو درمیانی مانگ کے ساتھ پونی میں جکڑ رکھا تھا۔ سر کی پٹی ہنوز بندھی تھی اور گال کی ہڈی کا نیل جامنی ہو چکا تھا۔ وہ نظریں جھکائے ان

کاغذات کو دیکھ رہی تھی جو دولت اسے دکھا رہا تھا۔

"صرف تین دن کی بات ہے' پھر دیکھنا' ہمیں کورٹ سے ضمانت مل جائے گی۔ اور شاید تم شہر نہ چھوڑ سکو مگر کم از کم تم گھر جا سکو گی۔" وہ تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ بس اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھی۔ پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔

"کیا آپ نے فاتح کو میرا پیغام دیا تھا؟"

دولت نے نظریں جھکا دیں اور ایک دم کاغذوں میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔

"ہاں دے دیا تھا۔"

"تو انہوں نے کیا کہا؟ کیا وہ مجھے ایک فون نہیں کر سکتے؟"

"فون تو نہیں....." وہ رکا اور نظریں اٹھائیں جیسے متامل ہو۔ جانے کیسا اسے سمجھ آ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

"آپ نے انہیں بھی مجھے خط لکھنے کے لیے تو نہیں کہا تھا کیا؟"

دولت نے انگلی سے پیشانی مسلی۔ "ہاں۔ اس نے مجھے دیا تھا کچھ۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور تذبذب سے ایک خط کا لفافہ نکالا۔ تالیہ نے جھپٹ کے اسے پکڑنا چاہا مگر دولت نے اسے پیچھے کر لیا۔

"تھوڑی سی پیچیدگی ہو گئی ہے تالیہ۔ تم نے پراسیکیوٹر کو پتہ نہیں کیوں یہ کہہ دیا کہ تم اس کی بیوی ہو۔ یہ بات اس کے گھر تک پہنچ گئی ہے اور اس نے جو بھی لکھا ہے اس سارے اسٹریس کے باعث لکھا ہے۔"

تالیہ نے تیزی سے لفافہ کھینچا اور اسے کھولا۔

"تاشہ......

میں پچھلے دو دن سے تمہارے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ میں ہر ایک کے سامنے تمہیں ڈیفینڈ کر رہا ہوں مگر مجھے بہت افسوس ہوا جب تم نے اس پراسیکیوٹر کے سامنے ہماری کسی ایسی شادی کے بارے میں دعویٰ کیا جو ہم نے نہیں کی۔ مجھے اس دعوے کی وضاحت دیتے ہوئے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جس تاشہ سے میں واقف ہوں' وہ میری اچھی دوست ہے اور میں دوستوں پہ give up نہیں کیا کرتا۔ اس لیے میری ایک نصیحت ہے کہ غصے میں بھی ایسی بات مت کہو جس پہ مجھے یا میری فیملی کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ ورنہ میری اور دولت کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

وان فاتح"

نیچے اس کے دستخط تھے۔ وہ فاتح کی لکھائی بھی پہچانتی تھی اور اس لیٹر پیڈ کو بھی جو فاتح کے آفس میں ہوتا تھا اور جس کو وہ

خاص خطوط اور نوٹس کے لیے استعمال کرتا تھا۔

وہ صرف ان الفاظ کی اذیت کو نہیں پہچانتی تھی۔ اس نے آہستہ سے کاغذ پرے ڈال دیا۔ تالیہ کے سچ پہ اب کبھی کوئی یقین نہیں کرے گا وہ جانتی تھی۔

''کل آپ نے کہا تھا کہ اس جیولر کے بارے میں تفتیش کریں گے جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ انگوٹھی اس نے بنائی تھی۔'' کچھ دیر بعد وہ کہنے لگی تو دولت نے گہری سانس لی۔

''اس کے لیے مجھے اپنی لاء فرم کے انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنا پڑے گا جو اتنے شارٹ نوٹس پہ کام کرنے کے لیے دگنی فیس لے گا۔''

''تو آپ دے دیں فیس۔ آپ جتنی فیس کہیں گے فاتح صاحب دے دیں گے۔'' اور تب ایک خیال نے اس کے اوپر گھڑوں پانی انڈیل دیا۔ ''کیا فاتح میری فیس نہیں دے رہے؟''

یہ خیال اس خط سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''دیکھو تالیہ..... '' وہ صلح جو انداز میں سمجھانے لگا۔ ''اس کی بیوی اور اس کے مخالفین کی اس کے ہر قدم پہ نظر ہوتی ہے۔ وہ تمہیں تھانے کال بھی کرے گا تو میڈیا اس کال کی ریکارڈنگ چلائے گا۔ ایسے میں اس کا کوئی بھی منی ٹریل تمہاری مدد کے لئے استعمال ہو تو مخالفین اس کا اسکینڈل بنا سکتے ہیں۔ فاتح جتنا کر سکتا تھا' وہ کر رہا ہے۔''

''مگر وہ میری فیس نہیں دے رہے۔'' وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اتنی جلدی بدگمان کیوں ہو رہی ہو؟ میں نے اسے آج تک کسی کے لیے اتنا فکر مند نہیں دیکھا جتنا وہ تمہارے لیے ہے۔''

تالیہ نے لب بھینچ لئے اور نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ جو کہہ لیں میں ان سے بدگمان نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے وہ میرے ساتھ رہیں گے۔ مگر فیس کی آپ فکر مت کریں۔ میرے پاس بہت پیسے ہیں۔ میں آپ کو پوری فیس ادا کر دوں گی۔ آپ صرف اس انویسٹی گیٹر کو ہائر کر لیں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ دولت کے چہرے پہ اطمینان اترا تھا۔

''ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں ابھی خود اسے پے کر دیتا ہوں۔ تم مجھے بعد میں دے دینا۔ اور رہا فاتح تو اس نے کہا ہے کہ آج وہ رات میں تم سے ملنے آئے گا شاید۔ یو نو..... جب میڈیا نہ ہو تو.....''

''رات میں کیوں؟ دن کی روشنی میں ساری دنیا کے سامنے آنا ہے تو آئیں' ورنہ تالیہ کو کسی ملاقات کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اب تم زیادتی کر رہی ہو' تالیہ۔'' اس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''میں رات میں ملاقات کا انتظام کرنے کے لیے اتنی

کوشش کر رہا ہوں۔ تم اس طرح اس کو رد کرو گی تو اس کی بیوی....اور پارٹی والے اس کو مجبور کر دیں گے کہ.....''

''کہ کیا؟''

دولت بولتے بولتے رکا جیسے احساس ہوا ہو کہ کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔

''وہی.....تمہاری فیس نہ دینے کے لئے۔ ڈونٹ وری ہم وہ مینج کر لیں گے۔''

مگر اسے محسوس ہوا کہ اسے دکھ سے بچانے کے لیے کچھ تھا جو اس سے چھپا رہا تھا۔ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا تھا؟ اسے کچھ خبر نہیں مل رہی تھی۔

ان کے جانے کے بعد شان کے بوٹس کی آواز آئی تو اس نے چہرہ سپاٹ بنا لیا اور ہاتھ گود میں رکھ لئے۔

''ایڈم نام کا ایک لڑکا تم سے ملنے آیا تھا۔''

شان کرسی کھینچ کے بیٹھا اور خوشگوار انداز میں بات کا آغاز کیا تو وہ چونکی مگر تاثرات سپاٹ رکھے۔

''کہاں ہے وہ؟''

''میں تمہیں اس سے ملوا دیتا لیکن گزشتہ رات اس کا باپ میرے پاس آیا تھا۔ اس بے چارے نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ اس کے بیٹے کو بدنامِ زمانہ تالیہ مراد سے دور رکھوں۔ کیونکہ وہ اب اتنا بڑا اسیلبریٹی بن چکا ہے کہ اس کا یہاں آنا بھی اسکینڈل بن جائے گا۔ اس لئے میں نے ایڈم کو یہ کہہ کے واپس بھیج دیا کہ ملاقات کی اجازت نہیں ہے وہ دو دن بعد آئے۔ سوری۔''

اس کے اندر غصے کا ابال سا اٹھا۔ چہرہ دہکنے لگا۔

''تمہیں یہ کرنے کا حق نہیں تھا' شان۔''

گھنگریالے بالوں والے کمشنر نے کندھے اچکائے۔ ''یہ میرا تھانہ ہے' تالیہ۔ یہاں میرا حکم چلتا ہے۔ اگر تمہیں شکایت ہے تو مجسٹریٹ سے کہہ دینا۔ مگر ابھی اس کے پاس پیش ہونے میں کچھ دن ہیں۔ چلو تب تک میں ایک غریب باپ کی مدد کرتا رہوں گا۔''

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے دوستوں سے مجھے دور کر کے مجھے ان سے بدگمان کر دو گے تو تم لوگ غلط ہو۔''

''کون سے دوست؟ وہ جس کا باپ تمہیں اپنے بیٹے کے لئے برا شگون سمجھتا ہے یا وہ سیاستدان جو....'' کہتے کہتے وہ رکا اور تالیہ کے تاثرات دیکھے۔ وہ چونکی تھی۔ کندھے سیدھے ہوئے تھے۔

''جو کیا؟''

شان کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ”تمہارے وکیل نے تمہیں نہیں بتایا؟“

”کیا نہیں بتایا؟“ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

وہ پراسرار انداز میں مسکرایا۔ ”ویل.... تم کل اپنے وکیل سے خود ہی پوچھ لینا۔ میں کچھ کہوں گا تو برا بنوں گا۔“

”تم صرف مجھے ان سے بدگمان کرنے کے لیے جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ بھی ایک تفتیش کا طریقہ ہوتا ہے میں سب جانتی ہوں۔ تم جو بھی کہہ لو' فاتح صاحب مجھے کبھی ڈس اون نہیں کریں گے۔“ اس کا اعتماد غیر متزلزل تھا۔

”آہ تالیہ.... حقیقت تو یہ ہے کہ....“ وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”میں یہاں تمہارا سب سے بڑا ہمدرد ہوں۔ اگر تم یہ اعتراف کرلو کہ تمہارے جرائم میں وان فاتح بھی ملوث تھا تو میں تمہاری سزا کم سے کم کروا سکتا ہوں۔“

”تمہارا چہرہ وہ پہلا چہرہ ہوگا جو یہاں سے نکلنے کے بعد میں بگاڑوں گی' شان۔ اس بات کو یاد رکھنا۔“

شان کے تاثرات بگڑے' اس نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور پھر سپاہیوں کو آواز دی۔ اس کے ٹارچر کا وقت ختم ہوا چاہتا تھا۔ تالیہ کے ساتھ مغز ماری کا فائدہ نہیں تھا۔

چوتھی رات:۔

اس کا سیل آج رات خالی تھا۔ دوسرے بستر پہ کسی نئی قیدی عورت کو نہیں بھیجا گیا تھا۔ یہ سارے کھیل اب پرانے ہو چکے تھے۔

وہ بیڈ کے وسط میں' دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے اور دور خلاء میں دیکھ رہی تھی۔ اب وہ سنتی بھی تھی' اور محسوس بھی کر سکتی تھی مگر اس رات عرصے بعد اسے جیسے کوئی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ گارڈ نے کوئی تیز مردانہ پرفیوم لگا رکھا تھا جو نتھنوں سے بار بار ٹکراتا تھا۔ اسے آج کھانے میں جلنے کی بو بھی محسوس ہوئی تھی۔ باتھ روم والے حصے سے بھی گٹر جیسی بو آ رہی تھی۔

مگر پھر ایک دم.... اس سارے میں ایک خوشبو کا اضافہ ہو گیا۔

قیمتی عطر کی خوشبو جو تازہ گلابوں اور جاسمین کے پھولوں کا ملا جلا تاثر دیتی تھی۔ وہ خوشبو جس وجود سے آ رہی تھی وہ سامنے موجود تھا۔ تالیہ نے نظریں اٹھا کے اندھیرے میں اسے دیکھا۔

سلاخوں کے دروازے سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے' وہاں شہزادی تاشہ کھڑی تھی۔ اس کا سرخ زرتار لباس پیروں تک

آتا تھا۔اور سنہرے بالوں پہ رکھا تاج اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔وہ مسکرا کے استہزائیہ انداز میں جامنی لباس والی قیدی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

''فاتح نہیں آیا نا۔رات کا کہہ کے بھی نہیں آیا۔''

اکڑوں بیٹھی لڑکی نے سپاٹ چہرہ اٹھا کے اس دمکتی ہوئی شہزادی کو دیکھا۔

''ان کی مجبوریاں ہیں۔اور میں نے خود ہی تو منع کر دیا تھا۔''

''یہ محبت اسی طرح لوگوں کے لئے تاویلیں اور بہانے گھڑواتی ہے۔مان لو کہ وہ تمہیں چھوڑ چکا ہے۔''

''وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنا ہے۔''

''مگر جو وعدہ اسے یاد ہی نہیں۔وہ اسے کیسے نبھائے گا؟''شہزادی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔اس کے وجود سے اٹھتی مہک سارے قید خانے کو معطر کیے ہوئے تھی۔

''کہا نا۔وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے۔وہ مجھے یہاں سے نکال لیں گے۔''

''کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا' تالیہ۔انسان کو اپنے آپ کو خود بچانا پڑتا ہے۔''

مگر تالیہ نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔''وہ مجھے بچانے آئیں گے۔اس لئے میں وہ نہیں کروں گی جو تم چاہتی ہو۔''اور خفا آنکھیں اٹھا کے شہزادی کو دیکھا جس نے کندھے بے نیازی سے اچکا دیے تھے۔

''چچ چچ.....میں جو چاہتی ہوں اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے' تالیہ۔تم اس قید خانے میں رہی تو تم پاگل ہو جاؤ گی۔''

''یہ قید خانہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔میں نے اس سے برے حالات دیکھے ہیں۔''

''ان برے حالات میں تمہارے دوست تمہارے ساتھ تھے۔یہاں تم اکیلی ہو۔اپنی حالت دیکھو۔تم بیمار لگ رہی ہو۔تم ذرا ذرا سی آواز پہ چونک جاتی ہو۔فوراً سے اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار تلاش کرتی ہو۔تمہیں خوف ہے کہ کوئی تمہیں نیند میں مار دے گا۔تم یہاں رہی تو خود کو کھو دو گی۔''

شہزادی قدم قدم چلتی قریب آنے لگی۔اس کے لباس میں لگے موتی زمین سے ٹکرا کے آواز پیدا کرنے لگے۔خوشبو تیز ہونے لگی۔

''مجھ سے دور رہو۔''وہ گھٹنوں کو بازوؤں میں جکڑے پیچھے ہو کے مزید دیوار سے لگ گئی۔''میں یہاں سے نہیں بھاگوں گی۔مجھے غلط آئیڈیا زنہ دو۔''ساتھ ہی وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

شہزادی اس کے بستر کے قریب آرکی۔اس کے سارے وجود سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔خوشبو کا ہالہ مزید تیز ہو گیا

تھا۔

"یہ تالہ تم کھول سکتی ہو۔ باریک سی پن ہی تو چاہیے۔ کسی گارڈ کی گن لے کر... دوسروں کو مار کے یہاں سے بھاگ سکتی ہو۔ تمہیں یہ جیل توڑنی ہو گی تالیہ۔"

"نہیں۔ تالیہ نہیں بھاگے گی۔" اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا اور نفی میں گردن ہلانے لگی۔ "ورنہ تالیہ ساری عمر بھاگتی رہے گی۔ وان فاتح مجھے بچانے آئیں گے۔ ایڈم آئے گا۔ داتن آئے گی۔ تم دیکھنا۔ مجھے کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔"

"تو پھر وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

"ان کی کوئی مجبوری ہو گی۔ یا یہ لوگ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں تاکہ مجھے فاتح کے خلاف کر دیں۔ ہرگز نہیں۔ میں ان کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔" سر گھٹنوں میں دیے اس نے اپنے ناخنوں کو بازوؤں میں پیوست کر رکھا تھا اور اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ شہزادی نے ترحم سے گٹھڑی بنی کانپتی لڑکی کو دیکھا۔

"کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا' تالیہ۔ کیا تم نے ابھی تک یہ بات نہیں سیکھی؟"

"چلی جاؤ' تم یہاں سے۔ چلی جاؤ۔" اس نے سر اٹھایا اور وہاں پڑا گلاس اٹھا کے زور سے دیوار پہ مارا۔

خوشبو غائب ہو گئی۔ روشنی کا ہالہ بکھر گیا۔

اور پھر کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی نفی میں سر ہلاتی رہی۔ اس کے جسم کا درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا.....

(اگر تم نے احتیاط نہ کی تالیہ تو ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟)

چوتھا دن:۔

اسے صبح سے بخار چڑھا ہوا تھا۔ پولیس کے ڈاکٹر نے دوا وغیرہ دے دی تھی مگر اس کے باوجود تالیہ کو جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ آج ملاقاتی کمرے میں بیٹھی تھی تو ناک اور رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ وہ بالکل گم صم بیٹھی تھی۔

حنان نے اس کی حالت دیکھی تو سپاہی سے اس کی ہتھکڑی کھولنے کا کہہ دیا۔ اس نے چپ چاپ ہتھکڑی کھلوا دی۔ اور سامنے خلاء میں دیکھتی رہی۔ حنان مقابل کرسی کھینچ کے بیٹھا اور قدرے نرمی سے گویا ہوا۔

"تالیہ... تم اس قید کو نہیں سہار سکو گی۔ صرف اعتراف جرم کر لو اور وان فاتح کے بارے میں لکھ دو یہاں (قلم اور پیڈ

سامنے کیا) تو تم بہت جلد گھر جا سکو گی۔"

تالیہ گلابی پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مزید اس ٹارچر سے گزرو۔"

"تمہیں واقعی لگتا ہے شان کہ میں اس گڈ کاپ' بیڈ کاپ کے کھیل کو نہیں سمجھتی؟" وہ بولی تو آواز خراب گلے والی محسوس ہوتی تھی۔ "کبھی میرے قید خانے میں اپنا پالتو اسٹول Pigeon ڈال دیتے ہو جو مجھ سے دوستی کرے' کبھی گڈ کاپ بن جاتے ہو مگر زیادہ وقت بیڈ کاپ رہ کے میرے دوستوں کو مجھ سے ملنے سے روکتے ہو۔ تمہیں لگتا ہے تالیہ بے وقوف بن جائے گی۔"

شان کے چہرے پہ واضح برہمی اترتی دکھائی دی۔ ساری نرمی عنقا ہو گئی۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے آگے کو جھکا اور چبا چبا کے بولا۔

"تمہیں لگتا ہے ہم فاتح کو تم سے ملنے سے روک رہے ہیں؟ تمہیں تمہارے وکیل نے نہیں بتایا؟"

وہ تکلیف کے باوجود مسکرائی۔ اس کا پورا جسم اس وقت جل رہا تھا۔

"مجھے تمہارے ان جھوٹوں سے فرق نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ جو میں تمہارے چہرے کے ساتھ کروں گی' اس کے بعد وہ کون سا پلاسٹک سرجن ہو گا جو میرے کام کو درست کرنے کا ذمہ اٹھائے گا؟"

اس کے چہرے کو ماتھے سے تھوڑی تک دیکھا۔

"چچ چچ.... تمہیں معلوم بھی نہیں کہ تمہارے چہرے کے لئے کتنے آئیڈیاز ہیں میرے پاس۔" اور واپس سیدھی ہو گئی۔ آواز خراب تھی' چہرہ مرجھایا ہوا اور آنکھیں بخار سے سرخ پڑ رہی تھیں' مگر گردن ابھی تک تنی ہوئی تھی۔

شان جواب میں کچھ سخت کہنے لگا تھا کہ سپاہی نے وکیل صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ رک گیا اور اسے اندر بھیجنے کا کہا۔

دولت بارش کے باعث بھیگا ہوا لگ رہا تھا۔ اندر آیا تو فوراً دیر سے آنے پہ معذرت کرنے لگا۔ فائلز میز پہ رکھیں اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اس کا رین کوٹ بھیگا ہوا تھا۔ مگر وہ اس نے نہیں اتارا اور تالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر چونک کے شان کو دیکھا جو کرسی پہ ٹیک لگائے گال تلے انگلی رکھے ہنوز وہاں بیٹھا تھا۔

"کمشنر صاحب۔" دولت کے ماتھے پہ بل پڑے۔ "آپ بھول رہے ہیں کہ وکیل اور اس کے کلائنٹ کی گفتگو کے دوران آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

''آپ نے شاید اپنی کلائنٹ کو وان فاتح کے بیان کے بارے میں نہیں بتایا۔'' وہ مسکرا کے دلچسپی سے تالیہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔''میں تو صرف وہی سننے رکا ہوں۔''

دولت چونکا۔ایک دم تالیہ کو دیکھا اور پھر گردن موڑ کے حنان کو گھورا۔جیسے نگاہوں میں تنبیہ کی ہو۔

''کمشنر،تم میری کلائنٹ کو ذہنی اذیت نہ دو تو بہتر ہے۔مجھے معلوم ہے مجھے اپنی کلائنٹ کو کیا بتانا ہے اور کیا نہیں۔''

''وہ ویڈیو یوٹیوب پہ ہے' دولت صاحب اور اس کے ہزاروں ویوز ہیں۔ساری قوم ٹی وی پہ ویسے ہی اسے دیکھ چکی ہے۔میں نہیں بتاؤں گا تو کوئی سپاہی بتادے گا۔آپ کیوں اپنی کلائنٹ سے وہ سب چھپا رہے ہیں۔''

''حنان۔'' دولت صاحب نے ضبط سے دانت بھینچے۔''میں تمہاری شکایت کردوں گا۔''

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے حیرت سے شانے اچکائے۔''میں تو صرف سچ بتانا چاہتا ہوں۔''

''کون سی ویڈیو؟'' وہ بہت ضبط سے بیٹھی تھی مگر اس کی آنکھوں میں دولت کے لئے شدید چبھن تھی۔

''تالیہ....دیکھو....سیاستدانوں کو سیاسی بیان دینے پڑتے ہیں۔'' اس نے اپنے وکالت بھرے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''کون سی ویڈیو' دولت صاحب؟''

''میرے پاس فون نہیں ہے' انہوں نے اندر لانے نہیں دیا۔مگر اس میں کچھ خاص نہیں ہے۔صرف....''

''میرے پاس ہے نا فون۔'' حنان نے مسکرا کے سمارٹ فون نکالا اور یوٹیوب کھول کے تالیہ کے سامنے رکھا۔''خود ہی سرچ کرلو۔ہم دکھائیں گے تو تم کہو گی کہ جعلی ویڈیو ہے۔''

''حنان پلیز مجھے میری کلائنٹ کے ساتھ تنہا چھوڑ دو۔'' دولت نے فوراً سے فون اٹھانا چاہا مگر تالیہ کے اندر توانائی بھر چکی تھی۔اس نے تیزی سے فون اچکا اور کپکپاتی انگلیوں سے ''وان فاتح کا بیان'' لکھ کے ٹائپ کیا۔وہ جانتی تھی وہ سب جھوٹ بول رہے تھے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا جو اسے فاتح سے بدگمان کرسکے۔

اگلے ہی لمحے ویڈیوز کی فہرست کھلی اور اس میں پہلی ویڈیو کی ہیڈ لائن کچھ یوں تھی۔

''وان فاتح نے اپنی ایکس چیف آف اسٹاف سے لاتعلقی کا اعلان کردیا۔''

تالیہ کے حلق میں کچھ پھنس سا گیا۔اس نے انگلی کا پورا اس ویڈیو پہ رکھا۔

''سر....آپ تالیہ مراد کے بارے میں کیا کہیں گے جو آج کل پولیس کی تحویل میں ہیں۔''

وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ کار کی طرف جارہا تھا اور راستے میں صحافی اپنے مائیک لئے اس کے ساتھ دوڑتے جارہے تھے۔چلتے چلتے فاتح رکا اور کندھے اچکائے۔

''دیکھیں.....وہ ہماری ایک پارٹی ورکر تھی۔ایک اسٹاف تھی۔ہم اس کو آفیشلی پارٹی سے نکال چکے ہیں اور اگر اس نے کچھ غلط کیا ہے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔اس کو اپنے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔اور جو بھی قانونی تقاضے ہیں وہ پورے ہونے چاہئیں۔''

''سر آپ کو کیا لگتا ہے تالیہ مراد واقعی ایک چور ہیں؟ ایک کون وومن ہیں؟''

ڈرائیور دروازہ کھولے کھڑا تھا۔سوٹ میں ملبوس اس وجیہہ صورت سیاستدان نے کندھے اچکائے اور کیمرے میں دیکھ کے بولا۔''میں نہیں جانتا۔وہ ایک اچھی ورکر تھی۔ہمارے لئے اس نے کام کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو ہم اس کو سپورٹ کریں۔ہمارا اس سے تعلق چند ماہ پہلے سے ختم ہو چکا ہے اور ہم اس کے کسی فعل کے لئے ذمہ دار نہیں ہیں۔آگے پولیس جانے اور تفتیشی ادارے۔ایکسکیوزمی۔''

بڑے ہی آرام سے وہ کہہ کے کار میں بیٹھ گیا۔ویڈیو ختم ہو گئی۔

''تالیہ....'' دولت صاحب نے الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔''اس بات کا ایک پسِ منظر ہے۔اس کو ساتھ والوں نے مجبور کیا تھا کہ....'' مگر تالیہ نے زور سے موبائل پرے دے مارا۔

''یہ ویڈیو جعلی ہے۔یہ عثمان نے خود بنائی ہے تاکہ مجھے فاتح سے بدگمان کرے۔'' وہ گردن اٹھا کے ضبط سے کہنے لگی۔الفاظ پھنس پھنس کے حلق سے نکل رہے تھے۔

''رئیلی؟'' عثمان نے تعجب سے اسے دیکھا اور اپنا موبائل اٹھایا جو زمین پہ گر گیا تھا۔شکر کے ٹوٹا نہیں تھا۔''یعنی کہ تم اب بھی یقین نہیں کرو گی کہ....؟ واؤ'' وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور موبائل کی اسکرین سے گرد صاف کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہو گیا تو اس نے گردن موڑ کے دولت کو دیکھا جو پریشان نظر آ رہا تھا۔

''یہ ویڈیو جعلی ہے نا؟'' ابرو اٹھا کے ضبط سے پوچھا۔

''دیکھو اس میں جو بھی کہا گیا ہے وہ اس نے دل سے نہیں کہا۔تم نہیں جانتی تمہارے پیچھے اسے کتنا مجبور کیا گیا تھا۔''

تالیہ کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔''یعنی یہ اصلی ہے؟''

دولت بے چارگی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اگر یہ ویڈیو اصلی ہے اور آپ کا دوست مجھے واقعی ڈس اون کر چکا ہے تو آپ یہاں کیوں آتے ہیں؟ یا شاید...'' وہ چونکی۔''وہ آپ سے رابطے میں اس لئے ہیں تاکہ آپ مجھے ان کے خلاف کچھ بولنے نہ دیں۔'' اس نے سمجھ کے سر ہلایا۔''ان سے جا کے کہیے گا کہ ان کو ان کے وعدے بھول چکے ہوں' تب بھی مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔میں ان کے خلاف کبھی نہیں بولوں گی'

چاہے وہ میرے بارے میں پبلک میں جو بھی کہیں۔"

وہ کہہ کے کھڑی ہو گئی۔" آپ کو بھی آئندہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنا کیس بر عدالت میں خود لڑ سکتی ہوں۔"

" تالیہ... تھوڑی دیر بیٹھ کے میری بات سنو۔ میں ایڈم کے بارے میں بات کرنے آیا تھا...."

" مجھے کسی سے نہیں ملنا۔ نہ ایڈم سے نہ فاتح سے۔ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس کا سر گول گول گھوم رہا تھا۔ بخار کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے واپس اپنے سیل میں جانا تھا۔

اسے تنہا بیٹھ کے خواب سارا رونا تھا۔

پانچویں رات:۔

رات سیاہ ہو چکی تھی اور باہر سے آتی آوازیں اب دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی سلاخوں والے دروازے کو دیکھے جا رہی تھی۔ بخار کا زور ٹوٹ گیا تھا اور اس کا جسم ٹھنڈے پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ اب درجہ حرارت کم ہوا تو اس کی ذائقے کی حس بھی بیدا ہونے لگی..... پہلے حلق میں بخار کی دوا سے کڑواہٹ محسوس ہونے لگی اور پھر اسے کسی اور شے کا ذائقہ یاد آیا۔

گراس ہوپرز۔

اس کے سامنے اندھیر قید خانے میں ایک دم ہر طرف گھاس اگ آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں گھنے درخت ادھر ادھر آ کھڑے ہوئے۔ ان کے درمیان ایک لڑکی کھڑی تھی اور منہ بناتے ہوئے پتے کے اندر لپٹے گراس ہوپرز کو منہ میں رکھ رہی تھی۔ تالیہ اس لڑکی کو یک ٹک دیکھے گئی۔

اس کے سنہری بال سوکھے کیچڑ سے اٹے تھے۔ چہرے پہ بھی سرخ مٹی لگی تھی اور کپڑے میلے تھے۔ کندھے پہ بیگ اٹھائے وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

" میں کدھر پھنس گئی ہوں؟" وہ کراہ کے بولی۔" کوئی مجھے بچانے کیوں نہیں آ رہا؟ کسی کو تو آنا چاہیے تھا۔"

" ہم سب اس میں آپ کی وجہ سے پھنسے ہیں' بے تالیہ۔" سامنے سے آواز آئی تو تالیہ نے چونک کے دیکھا۔ ایک نوجوان تھیلے میں پتے بھرتے ہوئے بگڑ کے کہہ رہا تھا۔" آپ کے لالچ نے ہم سب کو اس جنگل میں پھنسا دیا ہے۔ میں آپ سے ملنے تک نہیں آ سکتا کیونکہ میرے ماں باپ' میرا خاندان' میڈیا سب میرے خلاف ہو جائے گا۔"

" ایسے مت کہو' ایڈم۔" دوسرے کونے سے وہ ہیولہ سا بولا تھا۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں بستر پہ لیٹی تالیہ نے نظریں موڑیں۔

اس طرف وہ کھڑا تھا۔ سفید گدلی شرٹ والا مرد اور وہ اپنی ازلی نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"تالیہ کا قصور نہیں ہے۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے تو انکو۔" وہ کیچڑ میں لت پت لڑکی ایک دم گھٹنوں کے بل زمین پہ گری اور منہ سے گراس ہو پر زباہر تھوک دیے۔ اس کے آنسو زار و قطار بہنے لگے تھے۔

"میرے لالچ نے مجھے یہاں پھنسایا ہے اور میری وجہ سے آپ دونوں بھی اس اسکینڈل میں پھنس گئے ہیں۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا مگر اب میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔ میں کیا کروں' تو انکو؟ میں کیا کروں؟"

سفید شرٹ والا مرد گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اس کے سامنے جھکا اور نرمی سے بولا۔

"Make A Wish"

روتی ہوئی لڑکی نے سر اٹھا کے بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔ آپ کیوں مجھے چھوڑ کے چلے گئے ہیں؟ کوئی مجھے بچانے کیوں نہیں آ رہا؟ مجھے چاکلیٹ کا ذائقہ بھول گیا ہے۔ مجھے کوکو فروٹ کی خوشبو بھول گئی ہے۔ میری حسیات مر گئی ہیں۔ مجھے وہی کوکو فروٹ چاہیے۔"

نیچے بیٹھی لڑکی نے روتے ہوئے ہاتھ بڑھایا مگر اس کے سامنے جھکے مرد کے پاس کوئی پھل نہیں تھا۔

"جو تمہیں آتا ہے' وہ تمہاری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا' تالیہ۔"

"مجھے صرف خواب دیکھنا آتے ہیں۔ مجھے اور کچھ نہیں کرنا آتا۔" وہ چلائی تھی۔

بستر پہ کسی مریض کی طرح لیٹی لڑکی یک ٹک اس منظر نامے کو دیکھ رہی تھی۔

"خواب تصور کا دوسرا نام ہے۔" وہ اس کے سامنے جھکے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "اور تصور کرنے کے لئے چھٹی حس کا ہونا اور چھٹی حس کے لئے پہلی پانچوں کا ہونا ضروری ہے۔ تمہیں یہاں سے خود کو نکالنا ہے۔"

"مگر کیسے؟ سب مجھے چھوڑ گئے ہیں۔"

"جو تمہیں کرنا آتا ہے' وہ تمہاری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔"

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ ان سیاستدانوں سے محبت اچھی نہیں ہوتی۔" ایک بھاری بھرکم عورت عقب سے آ کے غصے سے بولی تو زمین پہ بیٹھی لڑکی چونک کے اس کی طرف گھومی۔ "کہا تھا میں نے تالیہ کہ ایک دن ہم دونوں کسی تھانے کے لاک اپ

میں پڑے ہوں گے۔ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟"

"تمہیں مجھے ایکسپوز کرنے کی بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے تھی' تالیہ۔" جنگل کے کونے میں کھڑی عصرہ بولی تو اس لڑکی نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ نیلی لمبی میکسی میں کھڑی' زیورات پہنے' ہمیشہ کی طرح دمک رہی تھی۔

"فاتح کو تم یاد نہیں ہو۔ اس کی بیوی صرف میں ہوں۔"

"میں نے بھی تمہیں کہا تھا کہ تمہیں میرے پاس واپس آ جانا چاہیے۔" ایک اور آواز آئی۔ تالیہ نے نظروں کا رخ موڑا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' لمبے بالوں والا راجہ مراد سلاخوں کے پار کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ "تم میری دنیا سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ غلام' یہ لوگ' یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔"

گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی گدلی میلی سی لڑکی کا سر گول گول گھوم رہا تھا۔ وہ گردن موڑ موڑ کے ان سب لوگوں کو اپنے اردگرد بولتے سن رہی تھی۔ پھر اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

"میں کیا کروں؟" آوازوں کا شور بہت زیادہ تھا۔

وہ آدمی اب بھی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اس کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ اس شور میں وہ دھیرے سے بولا۔

"محسوس کرو۔ دیکھو۔ سنو۔"

"کیا؟"

اس آدمی نے نفی میں سر ہلایا اور زور دے کر بولا۔ "وہ محسوس کرو جو محسوس نہیں ہوتا۔ وہ سونگھو جو موجود نہیں ہے۔ وہ سنو جو خاموش ہے اور وہ دیکھو جو نظر نہیں آتا۔"

بستر پہ لیٹی تالیہ نے آنکھیں بند کر لیں تو سارے کردار فضا میں تحلیل ہو گئے۔

اب اس کے گرد صرف خاموشی تھی۔ اور اندھیرا تھا۔

پانچواں دن:۔

وہ قید خانے میں بستر پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ سامنے ٹرے میں کھانا رکھا تھا اور وہ بڑے بڑے لقمے لئے تیزی سے کھاتی جا رہی تھی۔ ماتھے کی پٹی غائب تھی اور چہرے کا نیل اب ہلکا تھا۔ بال کنگھی کر کے اونچی پونی میں باندھ رکھے تھے اور وہ بہتر نظر آ رہی تھی۔

دفعتاً سلاخوں کے پار شان آ کے کھڑا ہوا اور غور سے اسے کھاتے ہوئے دیکھا۔

"محترمہ آپ نے انٹیروگیشن کے لئے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟ کیا آپ کو لگتا ہے آپ کے پاس چوائس ہے؟"

چاول ہاتھ سے منہ میں رکھتے ہوئے تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے حنان۔ تمہیں روز روز مجھ سے نہیں ملنا چاہیے۔"

حنان مسکرا دیا۔ "لگتا ہے آپ کو وان فاتح کے بیان کا غم لے ڈوبا ہے۔"

اس نے کندھے اچکائے اور بظاہر بے نیازی سے بولی۔ "مجھے فرق نہیں پڑتا حنان۔ تالیہ نے ہمیشہ خود کو ہر مشکل سے خود نکالا ہے۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ تمہیں البتہ پلاسٹک سرجن کی ضرورت جلد پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ آج کا دن تم آرام کر لو۔ کل سے ہم دوبارہ تفتیش شروع کریں گے۔ اور اگر کوئی بیان لکھنا ہو تو اس پہ لکھ دینا۔" اس نے نوٹ پیڈ اور قلم اندر پھینکا جو فرش پہ آ گرا۔

"اگر دولت صاحب آئیں تو کہنا کہ...."

"وہ آج آئے نہیں ہیں۔ ان کا فون آیا تھا کہ وہ کل آئیں گے۔ مگر مجھے لگتا ہے دوست کا بھانڈا پھوٹنے کے بعد وہ شرمندگی سے شاید تمہیں اپنی شکل نہ دکھائیں۔"

"اور ایڈم؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ روز آتا ہے مگر میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ تم اس سے نہیں ملنا چاہتیں۔ سوری۔" اس نے محظوظ انداز میں شانے اچکائے تو تالیہ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے تمہارے چہرے کے لئے ابھی سے افسوس ہے، چچ چچ۔" اور سر جھٹک کے واپس چاول کھانے لگ گئی۔ اسے قلم کاغذ مل گیا تھا۔ اسے فی الحال اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

اب اسے نہ ایڈم سے ملنا تھا۔ نہ فاتح سے۔

تالیہ کو یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا تھا سوائے تالیہ کے۔

وہ بستر پہ بیٹھی اور نوٹ پیڈ پہ پین سے لکیریں لگانے لگی۔ اسے آنکھیں بند کر کے جب تھانے میں لایا گیا تھا تو کتنے قدم وہ کس سمت میں چلی تھی۔ آوازیں کتنی دور سے آتی تھیں۔ بارش کی تڑتڑ کتنے فاصلے سے سنائی دیتی تھی۔ چھت کتنی اونچی تھی۔ کتنے گارڈز اب تک اس نے دیکھے تھے۔ بالائی پولیس ڈانگ وانگی کے بارے میں اب تک وہ کیا جانتی تھی؟ وہ گود میں پیڈ رکھے تیز تیز قلم چلاتی گئی۔

وہ اس جیل میں مزید نہیں رہے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

اسے اپنے تمام دوستوں اور محبتوں کو چھوڑ کے یہاں سے دور چلے جانا تھا۔

چھٹی رات :۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ تالیہ کے سیل میں نیم اندھیرا تھا۔ ایک چھوٹا بلب جل رہا تھا اور وہ زمین پہ بیٹھی تھی۔ گود میں کاغذ رکھے وہ ان پہ مسلسل لکھے جا رہی تھی۔

ایسے بہت سے لکھے ہوئے کاغذ آس پاس فرش پہ پڑے تھے۔ وہ بار بار نفی میں سر ہلاتی، قلم ہونٹوں پہ رکھ کے سوچتی اور کاٹ کے کچھ اور لکھتی۔ اس کے بال کسی ہوئی پونی میں بندھے تھے اور چہرے کا تیل اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ وہ بالکل فوکسڈ اور منہمک لگ رہی تھی۔

''تم جیل میں ہو اور میں فاتح کے ساتھ ہوں۔'' سلور چمکدار میکسی کو پہلوؤں سے اٹھاتے، اونچے جوڑے والی عصرہ کسی اندھیر کونے سے نکلی اور روشنی کی طرف آئی۔ وہ تمسخر سے نیچے بیٹھی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''تم مجھے ایکسپوز نہیں کر سکتی اب تالیہ۔ میں البتہ اس کو اب کبھی تمہارا خیال نہیں آنے دوں گی۔''

سر جھکائے لکھتی ہوئی تالیہ کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

''تم ان کو لے سکتی ہو عصرہ۔ میں ان کو ان کی سیاسی غلامی سے نجات نہیں دلا سکی۔ وہ مصلحت کے غلام تھے اور رہیں گے۔ مجھے اب ان کا انتظار نہیں ہے۔''

''اور میں؟ میرا کیا ہے تالیہ؟'' دوسرے کونے سے قدم قدم چلتا ایڈم باہر نکلا۔ ڈیزائنر سوٹ پہنے، وہ ہلکی بڑھی شیو والا نوجوان ناراض ناراض سا لگ رہا تھا۔ ''مجھ سے کیوں نہیں ملنا چاہتیں آپ۔''

''تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ زبردستی ملنے بھی تو آ سکتے تھے نا۔ شاید یہ لوگ تمہیں روک رہے ہیں۔ شاید تمہارا عزم اتنا مضبوط نہیں تھا۔'' وہ سر جھکائے تیز تیز قلم چلاتے ہوئے بولی۔ ''مگر مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں تم سب کو ہمیشہ مصیبت میں ڈالتی ہوں۔ آج سے میں اپنی مصیبتوں کی ذمہ دار بھی خود ہوں گی اور اپنی نجات دہندہ بھی خود ہوں گی۔''

''تمہیں میری کوئی نصیحت یاد نہیں رہی۔'' سامنے سلاخوں کے پاس کھڑی بھاری بھرکم عورت خفگی سے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے کہا تھا کہ سیاسی ورکر نہ بنو۔ وان فاتح پہ بھروسہ نہ کرو۔ میں نے کہا تھا کہ ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے.... جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟''

''پلیز تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ سر اٹھائے بغیر آہستہ سے بولی۔

''کیوں' تالیہ؟ تم مجھے کیوں نہیں دیکھنا چاہتی؟'' وہ بھاری' نرم لہجہ۔

تالیہ کا قلم چلاتا ہاتھ رکا۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں تو وہ سامنے کھڑا تھا۔

قدیم ملاکہ والے لباس میں۔ سفید چھوٹا کرتا اور سفید پاجامہ۔ ماتھے پہ سبز رنگ کی پٹی۔ اور چہرے کی وہ نرم' حوصلہ افزاء مسکراہٹ۔ تالیہ کا گلا رندھنے لگا۔

''کیونکہ آپ.... ایڈم.... داتن.... شہزادی تاشہ .... راجہ مراد.... یہ میرے ساتھ قید خانے میں بھیجی جانے والی عورتیں.... دتان.... یہ سب رکاوٹ ہیں۔''

وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اس کے سامنے جھکا اور مسکرا کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ہم رکاوٹ کیوں ہیں؟''

اور اس لمحے تالیہ مراد پہ انکشاف ہوا کہ اس کی حسیات کیوں مر گئی تھیں اور ابھی تک مکمل طور پہ واپس کیوں نہیں آئی تھیں۔

''کیونکہ....'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''آپ کی محبت' عصرہ کی نفرت' ایڈم اور داتن کی دوستی' مراد راجہ سے خونی رشتہ.... یہ سب میری کمزوریاں ہیں۔ یہ سب میرے حواسوں کو معطل کر دیتی ہیں۔ میں آپ لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔''

''مگر تمہاری حسیات تو واپس آنے لگی تھیں۔'' وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ''یاد کرو۔ تم سن سکتی ہو۔ چکھ سکتی ہو۔ چھو کے محسوس کر سکتی ہو اور سونگھ بھی سکتی ہو۔''

''مگر ابھی تک دیکھ نہیں سکتی۔ آپ لوگ مجھے ''دیکھنے'' نہیں دے رہے۔ آپ میری رکاوٹیں' میری ڈسٹریکشنز ہیں۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''وان فاتح' میں نے قید خانے میں ایک بات جان لی ہے کہ انسان کو اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی دکھ سے گزرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی ہم دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب نہیں کر پاتے کیونکہ دونوں میں تھوڑا تھوڑا دکھ مل رہا ہوتا ہے مگر دکھ تو ہر راستے میں ہوگا۔ کرنا وہ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اور آزادی کے لئے انسان کو خود غرض بن کے سوچنا پڑتا ہے۔ صرف اپنے لئے۔ اور آپ لوگ میری رکاوٹیں ہیں۔ مجھے آپ کے آنے یا نہ آنے سے کوئی گلہ نہیں ہے کیونکہ میں آپ سب سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے راستہ تب ''دکھائی'' دے گا جب آپ لوگ سامنے سے ہٹیں گے۔''

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے بہنے لگے۔ منظر نامہ دھندلا گیا اور جب دھند چھٹی تو اس نے دیکھا کہ وہ وہاں اکیلی بیٹھی تھی۔

فرش پہ اس کے گرد کاغذ بکھرے تھے اور آہنی سلاخیں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس نے گہری سانس لے کر وہ کاغذ اکٹھے کیے اور ان کے ٹکڑے کر کے سامنے رکھے پانی کے جگ میں ڈالتی گئی۔ پانی تیزی سے ان پہ لکھی روشنائی کو گھولنے لگا۔

تالیہ بے رنگ مائع کو گدلا ہوتے دیکھتی رہی۔ اس کے زخم اب مندمل ہو رہے تھے۔

اس کا پلان تیار تھا۔

کل رات وہ اس جیل سے فرار ہو جائے گی۔

☆☆=========☆☆

چھٹا دن:۔

ملاقاتی کمرے میں دن کی روشنی بکھری تھی۔ جامنی لباس میں ملبوس تالیہ خاموشی سے سامنے موجود شان کو دیکھ رہی تھی جو کرسی پہ ٹیک لگا کے بیٹھا اپنے ازلی کرخت اور تحقیر بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں نے سنا ہے ساری رات تم لکھتی رہیں اور پھر سارے کاغذ پانی میں ڈبو دیے۔''

''اعتراف جرم کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کے بولی تو شان چونکا۔ پھر سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

''تو تم اعتراف جرم کے لئے تیار ہو؟''

''ہاں۔ مجھے ایک اور پین چاہیے۔'' اس کی فرنٹ پاکٹ کی طرف اشارہ کیا جس میں ایک قیمتی فاؤنٹین پین اٹکا تھا۔ شان مسکرایا اور وہ پین نکال کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں مزید کاغذ بھیج دوں گا مگر تم اپنے accomplice کا بھی نام لکھو گی۔''

''یعنی کہ وان فاتح کا۔ مجھے معلوم ہے۔'' وہ جتنے سکون سے بولی شان نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم کوئی گیم تو نہیں کھیل رہیں تالیہ؟''

''تم فکر مت کرو۔ یہاں سے نکلنے کے بعد تمہارا چہرہ بگاڑنے کا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ لیکن اگر وان فاتح مجھے ڈس اون کر سکتے ہیں تو میں بھی ان کو ڈس اون کر سکتی ہوں۔'' ہتھکڑی والے ہاتھوں سے پین اٹھایا اور اس کو گھور کے بولی تو وہ ڈھٹائی سے مسکرا دیا۔

''میں کھانا بھجواتا ہوں۔ اچھا سا۔ رائٹ؟'' وہ جلدی جگہ سے اٹھا۔ ''اور اگر تمہارا وکیل آئے تو؟''

''اس سے کہنا واپس چلا جائے۔ مجھے وان فاتح کے بھیجے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ صبح تک میرا اعتراف جرم تمہاری ٹیبل پہ ہوگا۔'' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اب جانا چاہتی تھی۔ حنان فوراً سے بولا۔

''شیور... مگر یاد رکھنا... اگر یہ کوئی گیم ہوئی تو میں پولیس کو Shoot to Kill کا حکم دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ وہ ہلکی سی مسکرائی۔

''سنو حنان۔ پستول تمہارے پاس ہے' اختیارات تمہارے پاس ہیں۔ میں تو ہتھکڑیوں میں جکڑی ایک بے بس لڑکی ہوں۔ اتنا کیوں ڈرتے ہو مجھ سے؟'' اور استہزاء سے اسے دیکھ کے پلٹ گئی۔ حنان نے جواب نہیں دیا۔ کچھ بڑبڑا کے وہ سپاہیوں کو آواز دینے لگا تھا۔

ساتویں رات:۔

رات دوپہر بیت چکی تھی۔ تالیہ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ ساتھ رکھا نوٹ پیڈ خالی تھا۔ اور اس پہ رکھا حنان کا پین اس سلور پن سے محروم ہو چکا تھا جو اس پہ موجود تھی۔ وہ سلور پن تالیہ اپنے ہاتھوں میں گھما رہی تھی اور ذہن کچھ سوچے جا رہا تھا۔

اسے فاتح کے خلاف کوئی اعتراف نہیں کرنا تھا۔ اسے صرف وقت چاہیے تھا۔ وہ اس پن سے آرام سے لاک اَپ کا تالہ کھول سکتی تھی۔ اسے لڑنا بھی آتا تھا۔ وہ کسی سپاہی کی گن لے کر اس کو یرغمال بنا کے تھانے سے نکل سکتی تھی۔ کے ایل میں اس کی پناہ گاہ کیا تھی' کس لاکر میں اس کا go bag پڑا تھا' مختلف پاسپورٹ اور نوٹوں کے بنڈل کے ساتھ.... اس کے پاس سارا پلان تھا۔ صرف ایک ہمت چاہیے تھی۔

فاتح ایڈم اور داتن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کے چلے جانے کی ہمت۔

ملائیشیاء کے میڈیا میں ہمیشہ کے لئے مفرور اور مجرمہ کہلوائے جانے کی ہمت۔

کیا وہ یہ کر سکتی تھی؟

اتنے مہینوں کے کیے ''اچھے'' کام.... وہ سچائی اور امانت داری کے راستے پہ چلنا.... وہ سب رائیگاں چلا جائے گا۔ وہ تا عمر بدنام ہو جائے گی۔ اسی چیز سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی۔ لوگ سمجھیں گے کہ اس نے واقعی انگوٹھی چرائی تھی۔ وہ وان فاتح کے لئے ایک ایسا کلنک بن جائے گی جس کے موضوع سے بھی وہ نظریں چرائے گا۔ مگر فاتح تو اسے ڈس اون کر چکا تھا۔

نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ضرور اسے عصرہ نے مجبور کیا ہوگا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو ذہن کے سامنے وہی منظر آ گیا۔ وہ جھک کے اسے کہہ رہا تھا۔

Make A Wish

وہ دیکھو جو دکھائی نہیں دے رہا.... وہ سنو جو سنائی نہیں دیتا.... وہ سونگھو جو موجود نہیں ہے....

ایک دم چونک کے تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ تیزی سے اس نے اپنے تکیے تلے ہاتھ مارا۔ وان فاتح کا خط وہاں اس دن سے رکھا تھا۔

تالیہ نے وہ خط کھولا اور اسے دھڑکتے دل سے دوبارہ پڑھا۔

ڈیر تاشہ.... ڈیر تاشہ..... ڈیر تاشہ.....

اس کی ساری حسیات جاگ اٹھی تھیں۔

اور چھٹی حس وہ دیکھنے کا نام ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔

وہ سونگھنا جس کی خوشبو نہیں ہوتی.....

بے ذائقہ کو چکھنا.....

خاموشی کو سننا.....

اس کو محسوس کرنا جو موجود نہیں ہے۔

تالیہ بنتِ مراد نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور دور اوپر نظر آتی اونچی چھت کو دیکھا.....

اونچی بہت اونچی چھت.....

(احتیاط کیا کرو تالیہ ورنہ ایک دن ہم کسی تھانے کے لاک اپ میں پڑے ہوں گے؟ جانتی ہو لاک اپ کتنا خوفناک ہوتا ہے؟) اس کے اگلے الفاظ تالیہ نے زیرِ لب دہرائے۔ (تنگ تاریک سی کوٹھڑی جس کی چھت سر پہ آتی محسوس ہوتی ہے۔ ہر کونے میں مرے ہوئے چوہے تعفن پھیلا رہے ہوتے ہیں۔ کھانے کے برتنوں پہ لگی پھپھوندی کا ذائقہ کھانے میں آتا ہے۔ احتیاط کیا کرو، تالیہ!)

وہ سرعت سے بستر سے اٹھی، ننگے پاؤں سلاخ دار دروازے تک گئی اور پن تالے میں گھسا کے ہلانے لگی۔ چند حرکات اور تالہ کلک کے ساتھ کھل گیا۔ تالیہ نے بنا آواز کے تالہ نکالا، اور دروازہ کھول کے برہنہ پیر باہر فرش پہ رکھے۔ فرش ٹھنڈا تھا۔ اسے ٹھنڈا ہی ہونا تھا۔

سامنے طویل راہداری تھی جو خالی تھی۔ اس نے پن اور تالہ فرش پہ گرا دیا۔ زوردار آواز سے وہ نیچے گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ قدم قدم آگے راہداری میں بڑھتی گئی۔

راہداری کے سرے پہ دروازہ تھا جہاں سے اس کو گزار کے روز ملاقاتی کمرے میں لے جایا جاتا تھا۔ وہ اس دروازے پہ رکی اور ہینڈل گھما کے اسے دھکیلا۔ دروازہ آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

سامنے ملاقاتی کمرہ نہ تھا۔

سامنے ایک بڑا سا ہال تھا جس میں بے تحاشہ کاٹھ کباڑ اور کارڈ بورڈز رکھے تھے۔ وہاں وسط میں چند کرسیاں موجود تھیں جن میں سے ایک پہ بیٹھے شخص نے اسے آتے دیکھ کے گردن اٹھائی تھی۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

دروازے پہ ننگے پیر کھڑی تالیہ نے آنکھیوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس شخص کو دیکھا۔

"آپ کا کھیل ختم' دولت صاحب۔ میں کسی تھانے کے لاک اپ میں نہیں ہوں۔ نہ آپ وکیل ہیں' نہ وان فاتح نے آپ کو بھیجا تھا۔" وہ چبھتی نظروں سے اس کو دیکھ کے باآواز بلند بولی۔ "کون ہیں آپ؟"

سوٹ میں ملبوس دولت مسکرا کے اٹھا اور کسی شعبدہ باز کی طرح دونوں بازو پھیلائے۔

"آف کورس میں کوئی وکیل نہیں ہوں۔ میں اسپیشل برانچ کا تفتیشی آفیسر دولت امان ہوں اور تمہارا کیس میرے زیرِ تفتیش ہے۔"

اس کمرے میں بہت سے لوگ بیٹھے کام کر رہے تھے۔ کوئی کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ کوئی چائے پی رہا تھا۔ تالیہ کو دیکھ کے ان سب نے ہاتھ روک لیے تھے۔ پیچھے ایک کرسی پہ براجمان موبائل پہ گے رشان نے بھی فون نیچے کر لیا تھا۔

"آپ گڈ کاپ تھے اور رشان بیڈ کاپ تھا۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔ "اور یہ تھانے کا لاک اپ نہیں تھا۔" اس نے اطراف میں دیکھا۔ "کیونکہ کے ایل کے تھانوں کے لاک اپ کی چھتیں اتنی اونچی نہیں ہوتیں۔ یہ کوئی سیف ہاؤس ہے جس میں آپ نے مجھے رکھا ہوا تھا۔ اس کی دیواریں ساؤنڈ پروف ہیں اور وہ بارش کی خوفناک تڑتڑاہٹ.... وہ آڈیو ریکارڈنگ تھی جو آپ مجھے سنواتے تھے تاکہ مجھے باہر کی اصل آوازیں نہ آئیں۔ مگر بارش کی خوشبو مجھے کبھی نہیں آتی تھی۔ مجھے کبھی اس تھانے سے مرے ہوئے چوہے کی بو بھی نہیں آئی۔ اور ہاں.... آپ کے ایل کے تھانوں کے برتنوں کی طرح یہاں کے برتنوں کو پھپھوندی لگانا بھی بھول گئے۔" وہ گردن اٹھا کے چاروں اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ "مجھے یہاں بولتے ہوئے اپنی گونج سنائی دیتی تھی۔ کیونکہ یہ عمارت شاید کبھی کبھی استعمال ہوتی ہے۔"

"بالکل۔ ہم ایک پہاڑی پہ واقع سیف ہاؤس میں ہیں۔ ہم سب دن رات یہیں ہوتے تھے۔"

"جانتے ہیں مجھے کیسے معلوم ہوا؟ وان فاتح کے جعلی خط سے۔ آپ نے اپنی طرف سے اسمارٹ بنتے ہوئے ہر چیز کر لی' مگر آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اب مجھے تاشہ کہنا چھوڑ چکے تھے۔ جب وہ مجھے جان جاتے ہیں تو صرف تالیہ کہتے ہیں۔ یہ ان

کی صدیوں پرانی عادت ہے۔"

"تالیہ۔ہم جتنی محنت کر لیتے' ہم چھ سات دن سے زیادہ ایک کون وومن کو Con نہیں کر سکتے تھے۔" دولت مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ وہاں موجود سب لوگ گویا دن رات وہاں بیٹھے تالیہ مراد کے سیل سے باہر "خود" نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ بھنویں بھینچے غور سے اطراف میں دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہاں اسے دیکھ کے سب دم سادھے' ہاتھ روک چکے تھے۔ دفعتاً بیٹھا شان کھڑا ہوا اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"سوری.... میں صرف دولت صاحب کے اسکرپٹ کے مطابق کام کر رہا تھا۔ میں پولیس کمشنر نہیں ہوں۔ میں اسپیشل برانچ میں ان کا جونیئر ہوں۔" بال کھجا کے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ تالیہ نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھتی رہی۔ وہ وہاں رکھے کاٹھ کباڑ کو غور سے دیکھ رہی تھی جو کاٹھ کباڑ نہیں تھا۔ عدالتی کمرے کی چیزیں' پولیس یونیفارم۔

"تو آپ کا Con اس وقت شروع ہوا تھا جب آپ میرے وکیل بن کے مجھے تھانے سے لے آئے تھے۔ وہ تھانہ اصلی تھا مگر آپ نے مجھے وہاں سے نکال لیا۔ کون ہیں آپ لوگ؟" وہ غور سے اسے دیکھتی کمرے کے وسط میں رک گئی۔ دولت نے ایک کرسی اٹھائی اور اس کے سامنے پیش کرنے والے انداز میں رکھی۔

"پلیز بیٹھیے' بے تالیہ۔ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم صرف اپنی جاب کر رہے تھے۔"

وہ اسے انہی چبھتی نظروں سے دیکھتی بیٹھی تو وہ اپنی کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھا اور کہنے لگا۔

"ہم صوفیہ رحمن کی بہترین ٹیم ہیں۔ وقت کی وزیرِ اعظم کو سرو کرنا ہمارا فرض ہے۔ وزیرِ اعظم نے آپ کی فائل اس لئے کھلوائی تھی کہ آپ کے ذریعے وان فاتح کو ٹارگٹ کیا جائے مگر جب احمد نظام نے یہ بتایا کہ ان کے خیال میں آپ ایک Con وومن ہیں تو ہم نے ٹیک اوور کر لیا۔ ہم نے آپ کی گرفتاری کے فوراً بعد آپ کو وہاں سے نہ صرف نکال لیا بلکہ وہ انگوٹھی اور آپ کی گرفتاری کا سارا ریکارڈ بھی تلف کر دیا۔"

"آپ گذ کاپ تھے۔" وہ تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ مجھے کار میں اپنے ساتھ لے کر گئے تاکہ میرے بدترین خدشات کو جان سکیں۔"

"بالکل۔ اور تاکہ میں یہ جان سکوں کہ آپ بھاگیں گی یا نہیں۔ کیونکہ ہمیں آپ سے تین چیزیں مقصود تھیں۔ آپ کی اپنے باس سے وفاداری دیکھنا' آپ کا نہ بھاگنا' اور آپ کا خود کو ایک ذہین انسان ثابت کرنا۔ ہم جانتے ہیں اب آپ وہ سارے کام چھوڑ چکی ہیں مگر آپ نے ان تینوں امتحانوں پہ پورا اتر کے خود کو بہترین Con Woman ثابت کیا ہے۔"

"آپ کو وان فاتح نے نہیں بھیجا تھا مگر آپ نے کار میں میری ان سے بات کروائی تھی۔"

''میں وکیل نہیں ہوں مگر میں اس کا دوست ہوں۔اور وہ چھوٹی سی کال اس Con کا حصہ تھی تا کہ آپ مجھ پہ بھروسہ کر سکیں۔''

''اور وہ عدالت....وہ اخبار....وہ میڈیا والے بھی جعلی تھے؟''اسے وہ آوازیں یاد آئیں جو تھانے کی سیڑھیاں چڑھتے سنائی دی تھیں۔

''وہ اخبار'وہ میڈیا والوں کی آوازیں'وہ سب ایک الوژن تھا جے تالیہ۔میری کار سے جب شان نے آپ کو گرفتار کیا تو ہم آپ کو اسی سیف ہاؤس میں لائے تھے۔ان چھ دنوں میں آپ اس سیف ہاؤس کے اردگرد سے کہیں نہیں گئیں۔عدالتی کمرہ بھی اسی عمارت میں بنایا تھا ہم نے اور آپ کو کار میں بھی اسی کے گرد گھما کے واپس لے آتے تھے۔ایکچولی....آپ گرفتار ہوئی ہی نہیں ہیں۔نہ میڈیا پہ کسی کو معلوم ہے نہ پولیس کو علم ہے۔''

''اور وان فاتح؟ایڈم؟داتن؟''

''میں آپ کے فاتح پہ بھروسے کی قدر کرتا ہوں۔آپ کی توقع کے مطابق اس نے آپ کو ڈس اون نہیں کیا۔فاتح کی ویڈیو جعلی تھی اور ایک جعلی ویب سائیٹ پہ ہم نے ہوسٹ کی تھی۔ایڈم'داتن اور خود فاتح کو بھی معلوم نہیں کہ آپ کہاں ہیں اور وہ سب آپ کے لئے فکرمند ہیں۔ہم نے آپ کو صرف یہ تاثر دیا تھا کہ آپ اکیلی ہیں۔''

''اور آپ نے جان بوجھ کے میرے سیل میں ایک خاتون کو پلانٹ کیا تا کہ میں سمجھوں کہ وہ گڈ کاپ ہے اور میرا دھیان آپ کی طرف نہ جائے کیونکہ اصل گڈ کاپ تو آپ تھے۔''اس نے برہمی سے اس کی بات کاٹی۔ہال میں سب چپ چاپ اسے دیکھ رہے تھے۔''آپ نے'دولت صاحب'آپ نے مجھے مار پڑوائی تھی'شان نے نہیں۔آپ میری برداشت کو آزما رہے تھے۔پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''یوسی....جے تالیہ....''دولت گہری سانس لے کر بولا۔''ہم آپ کو ایک بھیانک خواب دکھا رہے تھے۔آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم آپ کے خلاف ثبوت نہیں ڈھونڈ سکتے تھے؟پراسیکیوٹر صاحب سے زیادہ رسی سورسز ہیں ہمارے۔ہم اگر تفتیش پہ آتے تو ہم آپ کو حقیقی مقدموں میں پھنسا سکتے ہیں۔جن کے بعد یہ برا خواب حقیقت بن سکتا ہے۔''

''تو آپ مجھے دھمکا رہے تھے؟کہ یہ سب سچ ہو سکتا ہے اگر....؟اگر؟''

دولت کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔وہ دونوں کمرے کے وسط میں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور سب چپ چاپ انہیں دیکھ رہے تھے۔

''ہم آپ کو صرف یہ باور کرانا چاہ رہے تھے کہ یہ سب سچ نہیں ہو سکتا'آپ کے سارے جرائم وزیراعظم کے خصوصی

Pardon پہ مبنی حکم نامے سے معاف ہو سکتے ہیں' آپ کو ساری زندگی کے لئے Immunity مل سکتی ہے اور اگلا وزیرِ اعظم بھی اس کو نہیں چھیڑ سکتا۔ آپ آزادی سے اس ملک میں زندگی گزار سکتی ہیں.... غرض حکومت آپ کے سارے جرائم معاف کرنے کے لئے تیار ہے.... اگر...."

"اگر میں وان فاتح کے خلاف گواہی دوں؟"

"نہیں بے تالیہ۔ ہم سیاستدانوں کے لئے کام نہیں کرتے۔ ہم ریاست کے لئے..... ملک کے لئے کام کرتے ہیں۔ وزیرِ اعظم صاحبہ کو ایک مسئلہ درپیش ہے جو ان کے خیال میں آپ حل کر سکتی ہیں اور اس کا وان فاتح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی اس ایک سروس کے نتیجے میں حکومت آپ کو معاف کرنے کے لیے تیار ہے۔"

"اور میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ سب سچ ہے۔"

دولت نے بنا تامل کے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پلاسٹک کے زپ لاک بیگ میں لپٹی سرخ نگینے والی انگوٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

"پہلا جیسچر ہماری طرف سے یہ ہے کہ آپ آزاد ہیں۔ آپ گھر جا سکتی ہیں۔ مگر کل صبح آپ کو یہاں آنا ہو گا۔ وزیرِ اعظم صاحبہ سے ملنے۔ وہ آپ کو 'جاب' کا خود بتائیں گی۔ میرے سوا یہاں کوئی اس جاب کی نوعیت سے واقف نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ نہ آئیں تو ہم آپ کے خلاف تفتیش کھول دیں گے اور یہ برا خواب سچ ہو جائے گا۔"

تالیہ نے ہاتھ بڑھا کے پیکٹ پکڑا۔ انگوٹھی نکال کے انگلی میں پہنی اور ہاتھ اوپر کر کے دیکھا۔ اس کا ہاتھ بڑے دن بعد مکمل مکمل سا لگنے لگا تھا۔

"ایسا کیا کام ہے مجھ سے وزیرِ اعظم صاحبہ کو جو آپ کی ماشاءاللہ اتنی ری سورس فل ٹیم نہیں کر سکتی۔" طنز سے ارد گرد کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ آپ ان سے خود سنیں تو بہتر ہو گا۔"

تالیہ نے ایک اچٹتی نگاہ سارے میں ڈالی۔ پھر ستان پہ نگاہ روکی۔ وہ مسکرایا مگر اس نے منہ پھیر لیا۔

"ہم نے آپ کے ساتھ کافی برا سلوک کیا ہے اور ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ آپ اب آزاد ہیں۔ ہم صرف آپ کے جیل توڑنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ آپ اپنی آزادی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ ہم وہی آزادی آپ کو حکومتی معافی نامے سے دینے جا رہے ہیں۔ کل صبح تک آپ سوچ سکتی ہیں۔" یہ کہہ کے دولت اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک اہلکار نے تالیہ کا پرس اور سامان جو اس کے پاس گرفتاری کے وقت موجود تھا' لا کے سامنے رکھا تو اس نے ایک لفظ کہے بنا وہ سب اٹھایا

اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر ایک برآمدہ تھا جس کے نیچے بڑا سا لان تھا۔ لان تک جانے کے لئے زینے بنے تھے۔ اوپر آسمان سیاہ تھا۔

یہ کسی پہاڑی پہ بنا بڑا سا ریسٹ ہاؤس لگتا تھا۔ اندھیرے میں بھی وہ خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ زینے اترتے ہوئے ٹھنڈی ہوا اس سے ٹکرائی تو اس کی اونچی سیاہ پانی جھولنے لگی۔

وہ بالآخر آزاد تھی۔

بھیانک خواب ختم ہو چکا تھا۔

☆☆=========☆☆

عالم کا بنگلہ فجر کی بھیگتی روشنی میں مغموم سا کھڑا تھا۔ اسٹریٹ پولز ابھی روشن تھے اور ان کی دودھیا روشنی سڑک کو منور کیے ہوئے تھی۔ تالیہ مراد اپنا ہینڈ بیگ اور تھیلا اٹھائے قدم قدم اٹھاتی اپنے بنگلے کی طرف جاتی دکھائی دے رہی تھی۔

گیٹ عبور کیا تو اندر اس کی کار پورچ میں کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ جانے اسے وہاں کون لایا تھا۔ ان چھے دنوں میں کیا ہوا تھا، وہ نہیں جانتی تھی اور اس وقت اس سب سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اب آگے کیا ہوگا، وہ صرف یہی سوچ رہی تھی۔

لاؤنج ویران تھا۔ داتن وہاں نہیں تھی۔ اگر ہوتی بھی تو وہ اس سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

اس نے بتی نہیں جلائی اور صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ وہ آزاد تھی مگر وہ آزادی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

وہ اندھیرے کی آہٹیں سن رہی تھی۔

باہر چلتی ہوا، پردوں کی پھڑ پھڑاہٹ، باسی کوکوفروٹ کی مہک، صوفے کے لیدر کی نرماہٹ.... ذرا سا کھٹکا ہوتا اور وہ چونک چونک جاتی۔ بار بار اندھیرے میں گردن موڑ کے دیکھتی۔

کوئی تھا تو نہیں یہاں جو اس کے لئے گھات لگائے بیٹھا تھا؟ کوئی نیا کھیل تو نہیں کھیلا جا رہا تھا کیا؟ صوفیہ رحمن کے بندوں نے ایسا فریب دیا تھا کہ اب اسے نہ اندھیروں کا اعتبار رہا تھا نہ روشنیوں کا۔ سب جعلی لگ رہا تھا۔ وہ آزاد ہو کے بھی آزاد نہیں تھی۔

وہ اوپر اپنے کمرے میں آئی اور بستر پہ چت لیٹ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اب کبھی سو نہیں سکے گی مگر اسے کب نیند آئی اسے علم نہیں ہوا۔ اس کی آنکھ تیز گھنٹی کی آواز سے کھلی تو وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ پھر ہڑبڑا کے لحاف اتارا اور بستر سے پیر نیچے اتارے۔ تیز تیز زینے پھلانگتی وہ نیچے اتری تو دیکھا۔ دودھیا روشنی کھڑکیوں سے آتی لاؤنج کو منور کر رہی تھی۔

وہ روشنی میں غور سے اطراف کو دیکھنے لگی۔ ایسے لگتا تھا داتن کافی دن یہاں نہیں آئی تھی۔ لاؤنج میں کچھ چیزیں جگہ سے

ہٹی ہوئی تھیں۔دو جھوٹے مگ کچن کاؤنٹر پہ رکھے تھے جیسے دو لوگوں نے وہاں کچھ پیا ہو۔

وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیو وے پہ آئی۔سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا تھا۔کوریئر والا۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی۔اس کے قدم سست پڑ گئے۔وہ گیٹ تک آئی' جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھایا اور آدمی سے ٹوکری لے لی۔

پھر وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی گئی.....ٹوکری اس کے ہاتھ میں تھی.....اور چہرے پہ زمانوں کی تکان تھی.....

دھیرے دھیرے وہ ٹوکری میں موجود کو فروٹ پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔تالیہ کی حسیات اب کام کر رہی تھیں۔اس کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں.....

کتنی ہی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی پھر دھوپ تیز ہونے لگی تو اس نے آنسو صاف کیے اور ٹوکری لئے اندر آ گئی۔

ایڈم نے کسی فروٹ سیلر کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کیونکہ ایڈم اب مصروف ہو چکا تھا۔اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس کے دیے پیسے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے اور ایماندار فروٹ سیلر ہر ہفتے وہ پھل بھیجتا تھا۔

تالیہ نے کچن کاؤنٹر پہ ٹوکری رکھی۔وہاں گزشتہ ہفتے آنے والی پھلوں کی ٹوکری بھی رکھی تھی اور ان کے پھل اب باسی ہو چکے تھے۔اور تب اس کی نگاہ ادھر ادھر پڑے ان دو خالی مگوں پہ رکی۔

ان کے اندر کافی نہیں' چائے پی گئی تھی۔دو لوگوں نے چائے پی تھی؟

یا ایک شخص نے دو دفعہ چائے پی تھی۔

داتن کافی کی عادی تھی اور ایڈم بھی چائے کا شوقین نہیں تھا۔صرف ایک شخص تھا جو چائے پیتا تھا اور اسے اپنے مگ دھو کے رکھنے کی عادت نہ تھی۔

وہ بالکل سُن رہ گئی۔پھر آہستہ سے مڑی۔لاؤنج اب مکمل طور پہ منور ہو چکا تھا اور اس کو وسطی میز کے ڈیکوریشن پیالے میں کچھ رکھا نظر آیا تھا۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں تالیہ چلتی ہوئی میز کے قریب آئی۔

اس پیالے میں ترتیب سے پانچ خط کے لفافے رکھے تھے۔ان میں سے ہر ایک پہ "تالیہ کے لئے" لکھا نظر آ رہا تھا۔اور یہ اسی شخص کی لکھائی تھی جو بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ چائے بنانا بھی بھول چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی۔باقی چار خطوط اس کی گود میں رکھے تھے جبکہ پہلا خط وہ لفافے سے نکال رہی تھی۔ان چھے دنوں میں کیا ہوا تھا' یہ خط اسے سب بتانے والے تھے۔

☆☆=========☆☆

چھے دن پہلے۔

پہلی رات:۔

احمد نظام راہداری میں چلتے جا رہے تھے جب ان کو وہ شخص نظر آیا تھا جو تالیہ مراد کا وکیل تھا۔اس کا تعارف سننے کے بعد وہ واپس آگے بڑھتے گئے۔انہیں صبح تالیہ کے کیس کے لئے کورٹ میں پیش ہونا تھا اور تیاری کرنی تھی۔

پارکنگ ایریا میں اپنی کار کے قریب جاتے ہوئے وہ ایک دم ٹھٹک کے رکے۔

اس سوٹ والے شخص کا چہرہ ان کے ذہن میں کلک ہوا تھا۔وہ دولت امان تھا۔احمد نظام ایک پارٹی پہ اس سے مل چکے تھے ۔وہ وکیل نہیں تھا۔وہ اسپیشل برانچ کا اعلیٰ عہدیدار تھا۔وہ ڈائریکٹ صوفیہ رحمٰن کے ماتحت تھا۔وہ یہاں تالیہ کا وکیل بن کے اسے نکلوانے آیا تھا کیا؟ یہ خیال چونکا دینے والا تھا۔

وہ ایک دم واپس پولیس اسٹیشن کی طرف بھاگے۔دولت امان کے جانے کے بعد انٹیروگیشن روم کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور سامنے دو لوگ پہریداروں کی طرح آن کھڑے ہوئے تھے۔وہ ہانپتے ہوئے ان تک پہنچے۔

"ایک منٹ.....یہ دولت امان یہاں کیا کر رہا ہے؟" سرخ پڑتے چہرے سے انہوں نے غرا کے پوچھا۔

ایک جیکٹ اور گھنگریالے بالوں والا افسر جو سامنے کھڑا تھا' مسکرا کے بولا۔

"آپ گھر جا کے آرام کریں' پراسیکیوٹر صاحب۔آپ کی سروسز کی حکومت کو مزید ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟ آپ لوگ یہاں کیوں ہیں؟"

"ہم تالیہ مراد کو لے جانے آئے ہیں۔" عقب سے ایک آدمی بولا تو وہ چونک کے گھومے اور اس شخص کو دیکھ کے وہ ٹھہر گئے۔یہ وہی سرکاری افسر تھا جو شروع میں ان کے پاس تالیہ کا کیس لے کر آیا تھا اور اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ یہ سیاسی انتقام کا کیس نہیں ہے۔

"کس....کس کے حکم سے؟" احمد نظام کی دنیا ایک دم تلپٹ ہو گئی تھی۔

"پردھان منتری کے حکم سے۔" سرکاری افسر مسکرا کے بولا۔"ہمیں تالیہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ہم نے ان کی انگوٹھی پولیس ریکارڈ سے واپس لے لی ہے اور ان کا تھانے میں آنے کا ریکارڈ ضائع کر دیا ہے۔وہ اب آزاد ہیں۔آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ گھر جا کے آرام کریں۔"

(تو تالیہ سچ کہہ رہی تھی۔وان فاتح سچ کہہ رہا تھا۔یہ ایک سیاسی کیس تھا اور وہ استعمال ہو رہے تھے۔)

''تم نے.....تم نے مجھے کہا تھا کہ تالیہ مراد کے بارے میں تفتیش اس لئے کرنی ہے کیونکہ وہ وان فاتح کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ شخصیات کی سلامتی کا معاملہ تھا۔'' وہ بے یقینی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ''مگر.....یہ صرف ایک سیاسی انتقام کا کیس تھا۔ تم لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔'' انہوں نے صدمے سے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔

''ہم نے کسی کو استعمال نہیں کیا۔ آپ کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں ہے۔''

''وہ سچ کہہ رہی تھی۔ وان فاتح سچ کہہ رہا تھ۔ ہم اس لڑکی کو ناجائز پھنسا رہے تھے۔'' ان کی رنگت سفید پڑ رہی تھی اور آنکھیں سرخ۔ ''اس نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی تھی۔ وہ انگوٹھی صوفیہ رحمٰن کی نہیں تھی۔''

''وہ ایک کون دو من ہے' ہم سب جانتے ہیں۔''

''مگر وہ انگوٹھی اس کی اپنی تھی۔'' وہ غم و غصے سے بولے تھے۔ مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ اور بس نہیں چلتا تھا کہ ان کو تہس نہس کر دیں۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ انہیں تالیہ سے بات کرنی تھی۔ مگر گھنگھریالے بالوں والا شان سامنے آ گیا۔

''سوری جناب۔ مگر آپ اندر نہیں جا سکتے۔ ایکچولی.....'' اس نے ایک مودب کھڑے پولیس اہلکار کو اشارہ کیا۔ ''پراسیکیوٹر صاحب گڑبڑ کر سکتے ہیں' اس لئے ایسا کرو ان کو آج رات کے لئے لاک اپ میں بند کر دو۔''

دو اہلکار فوراً سے ان کی طرف بڑھے اور ان کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے موڑ دیے۔ ایک اہلکار نے ان پہ پستول تان لیا۔

''تم لوگ اچھا نہیں کر رہے۔ میں سب سمجھ رہا ہوں۔ تم لوگ مجھے اس کے خلاف استعمال کر کے اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ چھوڑو مجھے۔'' وہ غصے اور بے بسی سے چلا رہے تھے مگر اہلکار ان کو زبردستی آگے لے گئے۔ شان نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔ اندر موجود دولت نے کسی بھی وقت باہر آ جانا تھا اور پھر تالیہ کو وہاں سے لے جانا تھا۔ اسے اپنی ٹیم کے ساتھ یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

کھیل شروع کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔

☆☆=========☆☆

ایڈم بن محمد روشنیوں کے ہالے میں اسٹیج پہ کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ والی کرسیوں پہ موجود صحافی بیٹھے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے رکھی میز پہ تازہ پھولوں کے گلدستے سجے تھے اور اسٹیج سے نیچے کافی سارے لوگ اسی ہال میں جمع ہوئے کھڑے ہو کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ کیمرے' فلیش لائیٹس کی چمک' پھولوں کی مہک.....اپنے پیچھے اسکرین پہ نظر آتی پریزینٹیشن کی نیلی روشنی.....وہ ایک عجیب کیفیت میں تھا۔ لوگ اس کے لئے تالیاں بجا رہے تھے اور وہ مسکرا کے تالیاں وصول کر رہا تھا۔

ذرا دیر کو خاموشی ہوئی تو وہ بولا۔

"یہ دوری لگارہ ملایو کا پارٹ ون ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ میں کلائیڈ اینڈ لی کے دوسرے کلائنٹس کے نام بھی سامنے لاؤں جواب بھی پبلک کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں اور ٹیکس چوری کر کے اپنی جائیدادیں ان گمنام جزیروں میں چھپا رہے ہیں۔ میں آپ کے سامنے آج یہ pledge کرتا ہوں کہ ایڈم بن محمد کسی ایسے شخص کا نام نہیں چھپائے گا اور ایک ایک شخص کو بے نقاب کرے گا۔"

پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

وہ خوابوں کی تکمیل کا دن تھا۔

اس کی کتاب لانچ ہو چکی تھی۔ چند ہارڈ کا پیز سامنے میز پہ رکھی تھیں جو اس نے سائن کر کے لوگوں کو دینی تھیں۔ شہر کے معززین اس تقریب میں آئے ہوئے تھے۔ اس کے سفید پوش خاندان والوں کا گروہ بھی اسے مہمانوں میں نظر آ رہا تھا۔ سب پرفیکٹ تھا۔

اور پھر.....ایڈم کی مسکراہٹ ماند پڑنے لگی۔

اس کی متلاشی نظریں ایک چہرے سے دوسرے تک گئیں اور دھیرے دھیرے اس کی رنگت پھیکی پڑتی گئی۔

وہاں تالیہ نہیں تھی۔

وہ اس کے انٹرویوز نہیں دیکھتی تھی' وہ اس کا لکھا ہوا نہیں پڑھتی تھی۔ وہ سب معاف کر سکتا تھا مگر وہ اس کی بک لانچ پہ بھی نہیں آئے گی' اس کے دل کو دھچکا لگا تھا۔ کیا تھا جو شہزادی کے لئے زیادہ اہم تھا؟

فوٹو گرافرز اس کو مسکرانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ اس نے ایک بناوٹی مسکراہٹ سے اپنے رائٹر فیس کو سجایا اور کیمروں کی طرف چہرہ موڑ لیا۔ البتہ ان ساری روشنیوں اور خوشبوؤں کے باوجود اندر کچھ بجھ سا گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

رات کا اندھیرا وان فاتح کی رہائشگاہ پہ بھی پھیلا تھا۔ عصرہ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی چلا ہوا تھا۔ بچے سونے جا چکے تھے۔ وہ فاتح کی منتظر تھی۔ صوفے پہ پیر اوپر کیئے' ریموٹ سے چینل بدلتی وہ بے توجہی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر قریب آتے قدم.....

"جلدی آ گئے۔" اس نے گردن موڑ کے دیکھا تو ٹھٹک گئی۔ وہ سر جھکائے موبائل پہ مسلسل بٹن دباتا چلتا آ رہا تھا۔ چہرے سے برہم لگتا تھا۔

"خیریت؟" عصرہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس نے جواب دیے بنا فون کان سے لگایا اور پھر وہیں ٹہلتے ہوئے بات کرنے لگا۔

"عالم صاحب.... پلیز ابھی اسی وقت پولیس اسٹیشن جائیں۔ مجھے نہیں معلوم مگر میرا خیال ہے مسجد انڈیا والے اسٹیشن میں تالیہ مراد کو لے جایا گیا ہے۔ پلیز جا کے ضمانت وغیرہ جو بھی کروانا ہے' کروائیں۔"

عصرہ سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ ریموٹ کا بٹن دبا کے ٹی وی کو خاموش کر دیا۔

"تالیہ گرفتار ہو گئی۔"

"ہاں۔" وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ الجھا الجھا۔ پریشان سا۔ "میری وجہ سے اس بے چاری کو نشانہ بنایا گیا ہے۔"

"چچ چچ.... یہ تو بہت برا ہوا۔ اور ہاں تم نے اس کا دیا ہوا کیک بھی نہیں کھایا۔"

فاتح نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ "وہ گرفتار ہو گئی ہے اور تمہیں کیک کی پڑی ہے۔"

عصرہ نے گہری سانس لے کر اس کو غور سے دیکھا۔ "تم ہو نا اس کی فکر کرنے والے۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے پریشان ہونے کی۔ وکیل بھیج رہے ہو۔ خود بھی پہنچ جاؤ گے۔ کافی ہے۔" وہ پیروں میں سلیپرز گھسیٹتی اٹھی اور کچن کی طرف جانے لگی۔

فاتح نے ناگواری بھرے تعجب سے اسے جاتے دیکھا۔ "میرا خیال تھا تم اس کو پسند کرتی ہو۔"

عصرہ رکی' اور پلٹ کے اسے گھورا۔ "ظاہر ہے میں اسے پسند کرتی ہوں۔ اسے ناپسند کون کر سکتا ہے؟" وہ کچن میں گئی اور تھوڑی دیر بعد کیک کی پلیٹ لئے واپس آئی اور پٹخنے کے انداز میں پلیٹ میز پہ رکھی۔

"کھا لینا۔ اس نے بہت تاکید کی تھی۔ اگر میں پیغام نہ دوں تو بری بنوں گی اس لئے میرا فرض تھا بتا دینا۔" جتا کے بولی اور پیر پٹخ کے آگے بڑھ گئی۔

وہ کیک کو نظر انداز کر کے لاؤنج میں بنے بک شیلف تک آیا جہاں اس کی قانون کی کتب سجاوٹ کے طور پہ اوپر والے خانے میں رکھی تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے چند کتب نکالیں اور انہیں میز پہ پھیلا کے بیٹھ گیا۔

کتنا وقت گزرا' اسے نہیں معلوم۔ وہ بس صفحے پلٹتا' مطلوبہ قوانین اور شقیں پڑھتا رہا۔ دفعتاً فون بجا۔ عالم صاحب تھے۔ اس نے چھوٹتے ہی فون کان سے لگایا۔

"فاتح' میں نے تمام تھانوں میں کال کی ہے۔ خود بھی ایک دو جگہ گیا ہوں۔ یہاں تو کسی تالیہ کو نہیں لایا گیا۔"

"اچھا؟ خیر پراسیکیوٹر...." ماتھے کو چھو کے نام یاد کرنے کی کوشش کی۔ "احمد نظام کو کال کرو۔ وہ گرفتاری کے وقت وہاں

موجود تھا۔"

"ہاں میں اس کو جانتا ہوں مگر اس کا فون آف جا رہا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ تم ہر تھانے جاؤ اور بذات خود چیک کرو۔ وہ کہیں تو ہو گی۔"

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ دولت امان کالنگ۔ فاتح کے چہرے پہ تعجب ابھرا۔ دولت امان؟ اس وقت؟ البتہ کال سنتے ہی اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ دولت امان اسے بتا رہا تھا کہ وہ تالیہ کے کیس کا تفتیشی آفسر ہے اور وہ اس معاملے کو ختم کروانے تھانے جا رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں وہ تالیہ سے اس کی بات کروائے گا۔

سکون اور تشفی کا عجیب سا احساس تھا جو اسے محسوس ہوا۔ فاتح نے پیر میز پہ قینچی صورت رکھے اور ٹیک لگا کے اس کی اگلی کال کا انتظار کرنے لگا۔

وہ کال قریباً آدھے گھنٹے بعد موصول ہوئی۔ دولت جلدی میں لگ رہا تھا اور تالیہ محض چند الفاظ ہی بول پائی تھی مگر وہ ٹھیک تھی۔ وہ محفوظ تھی۔ یہ خیال اس کے بے چین وجود کو شانت کر گیا تھا۔ فون رکھ کے فاتح نے کتابیں بند کیں۔ یہ پھیلاوا صبح ملازموں نے ہی سمیٹنا تھا۔

(تالیہ ہوتی تھی تو آفس کا سارا پھیلاوا منٹوں میں سمیٹ لیتی تھی۔)

یونہی وہ بات بے بات یاد آتی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور اٹھنے لگا۔ پھر کیک پیس پہ نظر پڑی جو پلیٹ میں چمچ کے ساتھ سجا اس کا منتظر تھا۔ فاتح مسکرا دیا اور اسے اٹھا لیا۔ یہ تالیہ کے بچ جانے کی سیلبریشن کا کیک تھا۔ اسے یہ کھانا چاہیے تھا۔

چمچ سے اس کو کھاتے ہوئے اب وہ اٹھ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ کیک واقعی لذیذ تھا۔ اندر تک گھل جاتا تھا۔

لاشعوری طور پہ اسے تالیہ کی کال کا انتظار رہا تھا جو پھر ساری رات موصول نہیں ہوئی۔

☆☆=========☆☆

پہلا دن:۔

اس صبح وان فاتح کی رہائشگاہ کی گھاس شبنم کے قطروں سے لبریز تھی اور پھولوں کی خوشبو نے پورچ کو مہکا رکھا تھا۔ وان فاتح اپنے سوٹ ٹائی میں ملبوس، سنجیدہ چہرہ بنائے کار کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گارڈز اور ڈرائیور تیار کھڑے تھے جب اس کا باڈی مین قریب آیا۔

"سر.... یہ پراسیکیوٹر صاحب گھنٹے بھر سے باہر آئے کھڑے ہیں۔" اس نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا تو فاتح رکا اور چونک

کے اس طرف دیکھا۔

گیٹ کے ساتھ اندر کی طرف احمد نظام کھڑے تھے۔ وہ اسی کو دیکھ رہے تھے گویا چند منٹ درکار ہوں۔ وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اور لب بھنچ گئے۔ وہ ان کی طرف آیا۔

"تسلی ہوگئی آپ کی ایک نہتی لڑکی کو یوں پھنسا کے؟ وہ تو شکر ہے کہ وہ اس سب سے نکل گئی ورنہ آپ دیکھتے کہ میں کس طرح اس معاملے کو ہر فورم پہ اٹھاتا۔"

احمد نظام نے شکستگی سے اس کا برہم چہرہ دیکھا۔ "وہ اس میں سے نہیں نکلی ابھی۔"

"اوہ پلیز..... مجھے دھمکانے کی کوشش مت کریں۔ اگر آپ نے اسے دوبارہ پھنسایا تو....."

"وہ ابھی تک ان کی تحویل میں ہے فاتح صاحب۔ تالیہ آج سے ایک مسنگ پرسن بن چکی ہے۔"

وہ زور دے کر بولے تو وان فاتح نے بھنویں بھنچیں۔ وہ دھوپ میں کھڑا تھا۔ احمد نظام کو اس کی آنکھوں کا رنگ سنہری نظر آ رہا تھا۔

"میری کل اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی اور گھر جا رہی تھی۔"

"وہ گھر نہیں پہنچی۔ بلکہ تھانے میں دولت امان اور اس کے اہلکار پہنچ گئے تھے اور وہ اس کو لے گئے ہیں۔" وہ تیز تیز بولتے پھولے تنفس کے ساتھ ساری روداد سناتے گئے۔ وہ ماتھے پہ بل ڈالے دھوپ میں کھڑا سنتا گیا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری اس سے بات ہوئی ہے۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ دولت کے ساتھ تھی۔"

"دولت امان صوفیہ رحمن کا آدمی ہے۔ آپ کا دوست وہ کسی زمانے میں تھا۔ وہ تالیہ کو کسی نامعلوم جگہ پہ لے گیا ہے اور ایس بی والے ایسا صرف ایک صورت میں کرتے ہیں۔ جب انہیں کسی شخص کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ وہ تالیہ کو آپ کے خلاف استعمال کرنا چاہیں گے۔ اسے ٹارچر کریں گے اس کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے مجھے بھی لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔ وہ تو صبح میرے کزن اور اس کی بیوی کی خبر آئی تو..." انہوں نے سر جھٹکا۔

"اور آپ کو اتنی فکر کیوں ہے؟ آپ کی وجہ سے تو وہ اس سب میں پھنسی ہے۔"

"اسی لئے مجھے اس کی فکر ہے کیونکہ وہ میری وجہ سے اس میں پھنسی ہے۔" وہ شکست خوردگی سے کہہ رہے تھے۔ "وہ لڑکی سچ بول رہی تھی۔ میرے تفاخر اور انا نے مجھے اصل تصویر دیکھنے نہیں دی۔ آپ دولت امان سے بات کریں اور اس پہ زور دیں کہ وہ تالیہ کو چھوڑ دے ورنہ یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ یہ انسان کو عجیب طریقے سے ٹارچر کر کے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔"

فاتح نے مشتبہ نظروں سے احمد نظام کا چہرہ دیکھا۔"مجھے آپ کی بات پہ یقین نہیں ہے۔وہ ٹھیک ہے۔اور اگر نہ ہوئی تو اس کی فکر کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔آپ جا سکتے ہیں۔"سرد مہری سے کہہ کے وہ واپس کار کی طرف بڑھ گیا۔کار میں بیٹھتے ہوئے اس کے تاثرات بدل رہے تھے۔وہ ایک دم بہت سی تشویش میں گھر گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

حالم کے بنگلے پہ وہ صبح اداس سی اتری تھی۔گھاس، اونچی کھڑکیاں اور اندر لاؤنج کی فضا، ہر شے میں اداسی رچی بسی تھی۔

داتن لاؤنج میں ٹہلتی پریشانی سے فون بار بار ملا رہی تھی اور سامنے صوفے پہ بیٹھا ایڈم خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہاں چلی گئی ہے تالیہ؟"

"اب آپ ان کو کور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"وہ بالآخر پھٹ پڑا۔"وہ آ نہیں سکیں تو اب آپ دونوں بہانہ بنا دیں گی کہ فلاں کام تھا فلاں مسئلہ تھا۔اصل میں آپ لوگوں کے نزدیک ایڈم کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"اوہ روٹھی ہیروئن.....ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنی چیخ چیخ بند کرو۔میں پریشان ہوں بہت۔"داتن غرا کے بولی مگر ایڈم پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ان سے کہیں، چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں۔میں ان کو کل کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"وہ کشن گود میں رکھے ناراض سا بیٹھا تھا۔داتن نے بس اسے گھورا اور دوبارہ نمبر ملانے لگی۔

"تالیہ بہت کم ایسے کرتی ہے۔اور جب بھی ایسے کرتی ہے وہ کسی مسئلے میں ہوتی ہے۔اس کی کار باہر کھڑی ہے۔تو وہ خود کہاں ہے؟"

"بناتی جائیں بہانے۔میں آپ دونوں کے ہر Con اور ہر کور اسٹوری سے واقف ہوں۔"ناراض ہیروئن منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

تبھی ڈور بیل بجی تو جہاں داتن تیزی سے دروازے کی طرف لپکی، وہیں ایڈم نے مزید ناراض چہرہ بنا کے رخ بالکل موڑ لیا۔آج وہ تالیہ کی کوئی تاویل، کوئی بہانہ، کچھ نہیں سنے گا۔آج تالیہ کو یہ طے کرنا ہوگا کہ اس کی زندگی میں ایڈم بن محمد کی جگہ تھی یا نہیں۔

چند لمحے گزرے اور اسے واپس آتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"بولیے محترمہ...میری بک لانچ میں نہ آنے کا کیا بہانہ ہے آپ کے پاس؟"اس نے خفگی سے رخ موڑا مگر اگلے ہی پل وہ کشن ہٹا کے تیزی سے اٹھا۔

داتن کے ساتھ اندر آنے والا شخص وان فاتح تھا۔ بی این کا چیئرمین۔ ایڈم ایک دم گڑبڑا گیا۔

''تم ادھر؟'' فاتح نے پتلیاں سکوڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ اسے جیسے اس کو یہاں دیکھ کے تعجب ہوا تھا۔

''میں.. میں جے تالیہ سے ملنے آیا تھا۔ کہاں ہیں وہ؟''

فاتح نے باری باری ان دونوں کے منتظر چہرے دیکھے۔ پھر کھنکھارا۔

''کل رات......تمہاری کتاب کی تقریب سے اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا مگر بعد میں.....''

وہ صبح تک کی ساری روداد سنا تا جا رہا تھا اور ان دونوں کے چہرے سفید پڑ رہے تھے۔

''جے تالیہ گرفتار ہو گئی ہیں؟'' وہ بت بنا کھڑا تھا۔ داتن دل پہ ہاتھ رکھے صوفے پہ گر سی گئی تھی۔

''میں کافی دیر سے دولت کو کال ملا رہا ہوں مگر اس کا فون آف ہے۔ احمد نظام درست کہہ رہا تھا۔ وہ لوگ تالیہ کو لے گئے ہیں۔ کہاں۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مجھے اندازہ تھا کہ آپ لوگ اسکی واحد فیملی ہیں۔ مجھے آپ کو خبر دینی چاہیے۔ اس کی کار بھی میں نے کل ڈرائیور کے ہاتھ بھجوادی تھی۔''

وہ بہت ضبط اور تحمل سے بتا رہا تھا۔

چند لمحے لاؤنج میں خاموشی چھائی رہی۔ داتن صدمے سے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اور پھر....ایڈم کی زخمی آواز نے خاموشی کو مجروح کیا۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ ایک دم چلا کے بولا۔ ''آپ کی وجہ سے وہ اس مصیبت میں پھنسی ہیں۔ آپ کے لئے انہوں نے کیا نہیں کیا اور آپ نے کیا کیا؟'' افسوس سے فاتح کو دیکھا۔ ''آپ تو ان کو یاد بھی نہیں رکھ سکے۔''

''مجھے معلوم ہے یہ اس کے ساتھ میری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے ایڈم کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ''یہ اس پہ کون دومن اور چور ہونے کے الزامات لگنا.... یہ مقدمہ....''

''وہ الزامات جھوٹے نہیں ہیں۔'' داتن شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ کے غرائی تو فاتح نے دھیرے سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ ''تالیہ ایک چور ہے فاتح صاحب اور ہمیں اس پہ فخر ہے۔ ہم نے اس کو اس کے اصل کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔ آپ نے کیا کیا ہے اس کے لئے؟''

''وہ... چور... نہیں ہے۔'' وہ ایک دم جھڑک کے بولا تو داتن اس کے سامنے کھڑی ہوئی اور غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آج آپ یہ راز جان ہی لیں پھر۔ تالیہ ایک چور ہے۔ ایک اسکامر ہے۔ ایک کون دومن ہے۔ اب کیا آپ اس سے

نفرت کرنے لگ جائیں گے؟ اس کو ڈس اون کر دیں گے؟ کیونکہ آپ اونچے شملے والے لوگ بہت پارسا ہوتے ہیں۔کسی کرمنل سے تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"واتن ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ایڈم زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔" آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت نے جے تالیہ کو یہ دن دکھایا ہے اور آپ نے ان کے لئے سوائے اس دولت کے کسی کو کال نہیں کی۔خفیہ ایجنسی کسی کو اغوا کر کے لے جاتی ہے اور آپ بی این کے صدر ہوتے ہوئے ایک پریس کانفرنس تک نہیں بلا سکے۔اس لئے آپ کو جے تالیہ کے لئے فکر مندی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ہم ان کو خود ڈھونڈ لیں گے۔"

فاتح نے باری باری ان دونوں کا چہرہ دیکھا اور پھر....اسی ٹھنڈے انداز میں ایڈم کو مخاطب کیا۔

"جانتے ہو میں تالیہ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" اس کی مضبوط آواز بنگلے کی دیواروں سے ٹکرائی۔"میں اس پہ 'یقین' کر سکتا ہوں۔تم لوگ اب بھی اس کو Con Woman کہتے ہو جب کہ وہ اس راستے کو چھوڑ چکی ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے میں نہیں جانتا وہ ماضی میں کیا کرتی تھی؟ مجھے سب اندازہ ہے مگر میں اپنی پوری سچائی سے یہ کہہ سکتا ہوں ایڈم....کہ وہ لڑکی چور نہیں"ہے۔" وہ ماضی میں جو بھی تھی "اب" وہ ایک سچی اور ایماندار لڑکی ہے۔تم لوگ اس کو مجھ سے بہتر جانتے ہو گے مگر جس تالیہ کو میں جانتا ہوں' اس تالیہ کو سزا میں ہونے نہیں دوں گا۔"

چند لمحے کے لئے ایڈم کچھ بول نہ سکا۔اس کا ٹھنڈا اور مضبوط انداز اس کو لاجواب کر گیا تھا۔

"اور تم دونوں کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔"

ایڈم کے لبوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ در آئی۔

"ظاہر ہے...آپ کو انہیں ڈھونڈنا ہو گا کیونکہ صوفیہ رحمن ان کو آپ کے خلاف استعمال کر سکتی ہیں۔بس اسی لیے ڈھونڈنا چاہتے ہیں آپ جے تالیہ کو تاکہ انہیں چپ کروا سکیں۔"

فاتح نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"مجھے اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔کیونکہ تالیہ کبھی مجھے ڈس اون نہیں کرے گی۔چاہے وہ میرے ساتھ موجود نہ ہو....چاہے وہ میری بک سائننگ پہ نہ آئے (زور دے کے کہا) میں کبھی یہ نہیں سمجھوں گا کہ وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی ہے کیونکہ اتنا تو انسان کو اپنے دوستوں پہ یقین ہونا چاہیے۔" وہ اسی ٹھنڈے انداز میں جتا کے بولا تھا اور ایڈم بن محمد پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔

وہ بالکل شل رہ گیا تھا۔

اس ایک لمحے میں ایڈم کی پانچ سو ستاون برس کی کہانی کو کنارہ مل گیا تھا۔

اس ایک فقرے نے اسے سمجھا دیا تھا کہ مستقبل کا بندا ہارا اور ماضی کی شہزادی ایک دوسرے کے لئے بنے تھے۔ وقت اور قانون کے چکران کو الگ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کو ایک دوسرے پہ یقین تھا۔

بھلے زمانے بیت جائیں... یاداشتیں کھو جائیں... قید کی زنجیریں درمیان میں حائل ہوں... سیاست کی مصلحتیں یا غلط فہمیاں راستہ کاٹیں... فاتح اور تالیہ ایک دوسرے کو ہمیشہ ڈھونڈ لیتے تھے۔

اب کہ وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی۔ ”اگر وہ حکومتی ایجنسی کی قید میں ہیں تو اب ہم ان کو کیسے ڈھونڈیں؟“

”ہم؟ کون ہم؟“ وہ اسی سنجیدگی سے کندھے اچکا کے بولا۔ ”میں... بی این کا چیئر مین... دان فاتح بن رامزل... میں اس کو خود ڈھونڈ لوں گا۔ تم پریشان مت ہو۔“

اور وہ مڑ گیا۔ ایڈم اور رداتن اسے لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر جاتے دیکھتے رہے۔

ان کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

وہ شام سارے کے ایل کو اداس کر کے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ سرما کی آمد آمد تھی اور موسم کافی خوشگوار ہو چکا تھا۔ کے ایل کا سرما ایسا نہ تھا کہ گرم کپڑے پہنے جائیں بس گرمی چلی جاتی تھی اور ہلکی سی ٹھنڈ آ جاتی تھی۔

دولت امان اس شام جب اپنے گھر میں داخل ہوئے تو سامنے لابی کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی اس کی بیوی نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔ ”فاتح صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں۔ آپ کا فون آف تھا اس لئے بتا نہیں سکی۔“

دولت کے چہرے پہ سنجیدگی پھیل گئی۔ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا اور کف کھولتے ہوئے اندر کی طرف آیا۔ ڈرائنگ روم تک پہنچتے ہوئے اس نے چہرے پہ بھی مسکراہٹ طاری کر لی۔

”فاتح... تم کب آئے۔“

بڑے صوفے پہ دان فاتح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ سنجیدہ چہرے اٹھا کے اس پہ ایک نظر ڈالی۔

”تالیہ کہاں ہے؟“

”وہ ہم ڈسکس کر لیتے ہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ چائے لو گے یا کافی؟“ وہ بشاشت سے کہتا سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تو فاتح کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے گئے۔

”میں یہاں چائے پینے نہیں آیا۔ تم نے کل تالیہ سے میری بات کروائی تھی مگر وہ گھر نہیں پہنچی۔ تم لوگوں نے اسے گرفتار

یا اغوا کر کے رکھا ہے' میں سمجھ گیا ہوں۔"

"فاتح.... اِٹس مائی جاب۔"

"اور میری جاب جانتے ہو کیا ہے؟ میں پارلیمان کے فلور پہ کھڑا ہو کے اہم مسئلوں پہ آواز اٹھانے کا عادی ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے' میں اس مسئلے کو غیر اہم سمجھتا ہوں؟"

دولت نے گہری سانس لی اور دونوں ہاتھ اٹھا کے تحمل سے کہنے لگا۔ "میں اوپر سے آنے والے احکامات کا پابند ہوں۔ وزیر اعظم صاحبہ کو اس سے ایک کام کروانا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اس کو مکمل Immunity دے رہی ہیں۔"

"کون سا کام؟ میرے خلاف گواہی؟ ہے نا؟" وہ تلخی سے اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

"ساری دنیا تمہارے گرد نہیں گھومتی' فاتح۔ اس سب کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ چند لمحے ان کو گھورتا رہا۔ ڈرائنگ روم کی زرد بتیوں میں وہ دولت امان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"اور تالیہ اس ڈیل کے لئے مان گئی ہے؟"

"وہ.....سوچ رہی ہے ابھی۔"

"اوہ....اور مجھے معلوم ہے وہ کیسے سوچ رہی ہو گی۔" اس کے کان شدت طیش سے سرخ پڑنے لگے۔ "تم لوگوں نے اسے کسی جگہ قید کر رکھا ہو گا اور شدید ذہنی دباؤ سے گزار رہے ہو گے۔"

"وہ سوچ رہی ہے اور جس دن وہ فیصلہ کر لے گی کہ اسے اس قید سے نکلنا ہے' ہم سب برابر والے کمرے میں اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایک جِن ہی تو گھسائی ہے اسے تالے میں۔"

فاتح نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور حیرت بھرے صدمے سے اسے دیکھا۔

"تم اس کا امتحان لے رہے ہو؟ اس کو فراڈ ثابت کرنے کے لئے؟"

"نہیں۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے کس حد تک جا سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کے لئے ہماری ڈیل ماننا آسان ہو گا۔"

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ اوپر جلتے فانوس چپ چاپ نیچے صوفوں پہ بیٹھے دونوں آدمیوں اور ان کے درمیان چھائے تناؤ کو دیکھتے رہے۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ جب تک وہ خود اس قید سے نہیں نکلتی' اس سے کوئی نہیں مل سکتا۔"

''تمہارے خیال میں اسے اتنے دن میں تمہارے پاس رہنے دوں گا؟ میں ابھی ایک ٹوئیٹ کروں تو.....''

''تو سارا ملک جان جائے گا کہ تالیہ مراد ایک چور ہے۔تمہیں کیا لگتا ہے تم پبلک میں اس قصے کو اٹھاؤ گے تو وہ بدنام نہیں ہو گی؟ ہم اسی چیز سے اسے بچا رہے ہیں۔وزیراعظم کی کانفیڈینشل پارڈن اس کو ساری عمر کے لئے سابقہ جرائم سے محفوظ کر لے گی اور کسی کو معلوم بھی نہیں ہو گا۔البتہ اگر تم اس معاملے کو میڈیا میں لے کر گئے تو تالیہ ہمارے لئے ناکارہ ہو گی۔ہم اس کے خلاف انویسٹی گیشن شروع کر دیں گے اور ڈیل کی بات ہی ختم کر دیں گے۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔بس ماتھے پہ بل ڈالے تندہی سے دولت کو دیکھتا رہا۔

''تو صوفیہ رحمن اس کو محفوظ راستہ دے گی؟ میں کیسے یقین کروں اس کی بات کا؟''

''تم میرا یقین کر سکتے ہو۔تم مجھے جانتے ہو۔''

''کوئی کسی کو بھی نہیں جانتا ہوتا۔'' وہ تلخی سے بولا تھا۔دولت نے گہری سانس لی۔

''وہ چند دن میں اپنے گھر واپس آ جائے گی۔تم سوائے اسکا انتظار کرنے کے اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔تم احتجاج کر کے یا لوگوں کی نفری لے کر بھی پہنچ جاؤ تو تم سرکاری تحویل سے کسی کو نہیں نکال سکتے۔اس کی بہتری کے لئے....حکومتی معافی نامے کے لئے....تمہیں اس کا خاموشی سے انتظار کرنا ہو گا۔''

فاتح اتنا سن کے اٹھ کھڑا ہوا تو دولت بھی ساتھ ہی اٹھا۔''چائے تو پی لو۔''

''میں اس شخص کے گھر کیسے چائے پی سکتا ہوں جس نے میری....'' وہ رکا۔کوئی سابقہ لاحقہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

دولت نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو اٹھائی۔

''تمہاری؟''

''...میری دوست کو حبسِ بے جا میں رکھا اور معلوم نہیں اس کو کس طریقے سے ٹارچر کر رہا ہو گا۔'' فاتح دروازے کی طرف بڑھ گیا تو دولت پیچھے سے کھنکھارا۔

''یو نو....مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔''

وان فاتح چوکھٹ پہ ٹھہرا اور گہری سانس لی۔''بن سکتے ہیں۔'' اور مڑ کے ایک تیز نظر دولت پہ ڈالی۔''مگر مسئلہ یہ ہے کہ اکثر ان میں سے ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔''

یہ اعتراف کا وہ بے خوف مقام تھا جہاں وان فاتح کو کچھ کھونے کا ڈر نہیں تھا۔

لمحے بھر کو وہاں سناٹا چھا گیا۔

"تالیہ نے میرے لیے خود کو غیر محفوظ کر دیا۔ تم تصور کرو کہ اس کو محفوظ کرنے کے لئے میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔"

دولت کے کندھے سیدھے ہوئے۔ اس نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کے اس کو برہم نظروں سے دیکھ کے اب باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

(تو وہ اپنی بات کر رہا تھا؟ مگر اس کی تو بیوی بھی ہے۔ بچے بھی ہیں۔ یا شاید تالیہ درست کہہ رہی تھی۔ تفتیش کے دوران اس نے احمد نظام سے کہا تھا کہ وہ وان فاتح کی بیوی ہے۔ اف یہ ورک پلیس کی محبتیں اور افیئر ز۔)

دولت نے افسوس سے ماتھے کو چھوا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی اتنی بلیک اینڈ وائیٹ نہیں ہوتی۔

☆☆=========☆☆

دوسری رات:۔

وان فاتح کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا شیشے سے باہر رواں ٹریفک دیکھ رہا تھا جو سیاہ سڑک پہ زرد روشنیاں بکھیرے چلتی جا رہی تھی۔ بند مٹھی ہونٹوں پہ رکھے وہ بس دور افق کو دیکھے جا رہا تھا۔

آج سارا دن میٹنگز' کانفرنسز' اور آفس کے معاملات وہ بظاہر خوش اسلوبی سے نبھاتا آیا تھا مگر اس کا ذہن تالیہ پہ اٹکا تھا۔ وہ کہیں قید تھی۔ سلاخوں کے پار۔ وہ مقید تھی اور.... اس نے آنکھیں بند کیں تو چھم سے ذہن کے پردے پہ ایک منظر اتر آتا ۔

وہ سلاخوں کے اندر بیٹھا تھا.... وہ زخمی تھا اور وہ اس کے ماتھے پہ مرہم لگا رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ پھر دوسرا منظر ذہن میں ابھرنے لگا۔ وہ ایک آدمی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کو کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو سمندری سفر پہ نہ بھیجے۔ اس کے ہاتھ زنجیروں میں جکڑے تھے۔ یہ دونوں خواب اس نے رات میں دیکھے تھے اور بار بار ان کا خیال اسے تنگ کر رہا تھا۔

یہ خواب علامتی تھے کیا؟ اُف یہ وژن.... یہ یادیں.... اس نے کنپٹی سہلائی۔ سوچ سوچ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

کار گھر کے گیٹ کے باہر رکی تو وہاں بہت سی گاڑیاں اور گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ فاتح کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"اتنا رش کیوں ہے گھر میں؟"

ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے باڈی مین نے مڑ کے ادب سے بتایا۔"سر.... آج مسز عصرہ نے آپ کے ساتھی پارلیمنٹیرینز کو ان کی بیگمات سمیت مدعو کیا ہے۔ آپ بھول گئے؟"

اُف.... اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ "ایسا کرو کار روک لو۔ مجھے اندر نہیں جانا۔"

ڈرائیور نے فوراً وہیں کار روک دی تو فاتح باہر نکلا۔ باڈی مین پریشانی سے اس کے پاس آیا۔

''سر! اگر ہم نہیں گئے تو مسز عصرہ بہت خفا ہوں گی۔ وہ مجھے پہلے ہی دس فون کر چکی ہیں۔''

''یو نو... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی تائید کی۔ ''تمہیں ڈنر پہ جانا چاہیے۔ تم جاؤ اور مسز عصرہ سے کہو کہ میں ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کے اس نے ڈرائیور کے ہاتھ سے چابی لی اور اسے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد وہ کار خود ڈرائیو کر کے وہاں سے جا چکا تھا اور وہ دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

کے ایل کی سڑکوں پہ ٹریفک اسی طرح رواں دواں تھا۔ وہ تھوڑی دور آگے گیا تھا کہ اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ''ایڈم بن محمد کالنگ۔''

اس کا نمبر اس نے حال ہی میں بک سائننگ ایونٹ کی وجہ سے محفوظ کیا تھا۔

''بولو ایڈم!''

''سر.... چے تالیہ کا کچھ پتہ چلا؟'' اس کی آواز پریشان اور مدھم تھی۔

''ہاں۔ مجھے معلوم ہے وہ کس کے پاس ہے۔ اور ڈونٹ وری وہ محفوظ ہے۔''

''تو وہ گھر کیوں نہیں آ رہیں؟''

''ایڈم... تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا ہے نا کہ اس کو وہاں سے نکال لاؤں گا تو وعدہ نبھاؤں گا۔'' صبح کے برعکس اب وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کے وعدوں کا یہی مسئلہ ہے سر۔ وہ پورے ہو کے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ بس اس دفعہ کوشش کیجیے گا کہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے کچھ قربان نہ کریں۔''

''میں نے پہلے کبھی تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ اس لئے تم میرے بارے میں جج منٹ نہیں دے سکتے۔''

ایڈم تلخی سے ہنسا۔ ''کاش میرے لئے بھی بھولنا اتنا ہی آسان ہوتا۔ یادداشت کا چلے جانا بھی ایک نعمت ہے۔''

فاتح کے پاس اس کی مبہم باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ بس اس نے بیزاری سے کال کاٹ دی۔

چند منٹ بعد وہ ایک درمیانے درجے کے گھر کے سامنے کھڑا ڈور بیل بجا رہا تھا۔ اس نے کوٹ اتار کے کار میں ڈال دیا تھا اور سفید شرٹ کے کف موڑ لیے تھے۔

دروازہ کھلا اور احمد نظام نے باہر جھانکا۔ اسے وہاں دیکھ کے وہ ششدر رہ گئے۔

''آپ؟''

وان فاتح نے ہاتھ سے انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا اور داخلی زینے چڑھ کے اوپر آیا۔ احمد نظام فوراً سامنے سے ہٹے اور دروازہ پورا کھول دیا۔

''آیئے۔ پلیز..... اندر آیئے۔'' وہ بی این کے صدر کو اپنے غریب خانے پہ دیکھ کے قدرے بوکھلا گئے تھے۔ وہ اس وقت پاجامے اور کرتے میں ملبوس تھے اور شیو ذرا بڑھی ہوئی لگتی تھی۔ ''آپ کو میرا ایڈریس کیسے.....؟؟''

فاتح اندر آ کے سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ فوراً پیچھے آئے۔

''آپ کا ایڈریس پبلک ریکارڈ میں ہے اور میرے لیے وہ نکلوانا مشکل نہیں تھا۔'' وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں کہتا صوفے تک آیا اور بیٹھ کے ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ انداز سے لگتا تھا وہ اپنے گھر آیا ہے اور احمد نظام سامنے خادم کی طرح شرمندہ سے کھڑے تھے۔

''آپ کو یہاں دیکھ کے.....''

''آپ کے کزن اور ان کی بیوی کی ایکسیڈنٹ میں وفات کا علم ہوا تھا۔ میں ان کی تعزیت کرنے آیا تھا۔'' وہ اسی سنجیدہ اور روکھے انداز میں بولا تو احمد نظام نے گہری سانس لی۔ (تعزیت کے لیے ایسے آیا جاتا ہے کیا؟)

''یہ بہت غیر متوقع تھا۔ مگر چے تالیہ نے مجھے خبردار کیا تھا۔ افسوس کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی۔''

''آپ کھڑے کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیں۔'' اسی خشک انداز میں گھر کے مالک کو بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئے۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ آئے۔ گھر والے ابھی تک مرحوم کے گھر میں ہیں اس لیے میں آپ کی خاطر.....''

"تو آپ کے خیال میں وزیراعظم صاحبہ کو تالیہ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" وہ بات کاٹ کے مدعے پہ آ گیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک سفید بتی روشن تھی اور اس کی روشنی میں احمد نظام کو وان فاتح ڈسٹرب اور بے چین سا نظر آیا تھا۔ وہ اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ ان کو اندازہ ہوا کہ وہ دولت سے بات کر چکا تھا اور معاملہ واضح ہو رہا تھا۔

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ انہوں نے چے تالیہ سے کوئی کام لینا ہے۔"

"جی۔ پہلی دفعہ آپ کا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔" وہ طنز سے بولا تو احمد نظام نے سر جھکا دیا۔

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی ہے، فاتح صاحب۔ ستائش کی خواہش انسان کی عقل پہ پردہ ڈال دیتی ہے۔ میں نے خود کو اپنی خواہش کے حوالے کر دیا اور اپنے کان لپیٹ لیے۔ اس غلطی نے مجھے اپنے محاسبے کی توفیق دی ہے اور میں ہر طرح سے اس کا

مداوا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تالیہ مراد اگر چور یا کون وومن تھی بھی تو ہمارے پاس اس چیز کا ثبوت نہیں تھا۔ اور جس چیز کا ثبوت ہم نے گھڑا، وہ جھوٹ تھا۔ آپ مجھے اس کے لیے معاف کر دیں۔ میں ہر عدالت میں ان کے حق میں گواہی دینے کے لیے تیار ہوں۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ فاتح کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔

''تو کیا کام ہو سکتا ہے صوفیہ رحمٰن کو تالیہ سے؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''آپ کو یہ ڈر ہے کہ وہ انہیں آپ کے خلاف استعمال کریں گی۔''

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ تالیہ کبھی مجھے ڈبل کراس نہیں کرے گی۔ بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''میں صوفیہ رحمٰن کو جانتا ہوں۔ وہ ایک شاطر اور طاقتور عورت ہے۔ وہ تالیہ سے کام کروا کے اس ڈیل سے مکر بھی جائے تو اسے کون پکڑ سکتا ہے؟''

''وہ ملک کی وزیر اعظم ہیں، فاتح صاحب۔''

''وہ ایک جھوٹی اور چور عورت ہے، احمد نظام۔''

''اس چور عورت نے اگر ایک دوسری چور عورت سے کام کروانا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی غلط کام ہو۔ چوروں کے درمیان بھی ایک Honour ہوتا ہے۔''

فاتح کے ماتھے کے بل جو اس کی معذرت پہ غائب ہوئے تھے، دوبارہ عود آئے۔ ''تالیہ چور نہیں ہے۔''

''جی.... اب نہیں ہے۔ مگر میری ان پہ ریسرچ یہ بتاتی ہے کہ پہلے وہ....''

''کہاں ہے یہ ریسرچ؟'' اس نے اس کی بات کاٹی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں احمد نظام کے گھریلو آفس میں موجود تھے۔ فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا گردن اٹھائے اس دیوار کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات سے ڈھکی ہوئی تھی۔ تالیہ کی تصاویر، بینک کے کاغذات، مختلف لوگوں کے نام۔ پوسٹ اٹ نوٹس۔ فاتح نے تعجب سے نظریں ان کی طرف موڑیں۔

''آپ تو تالیہ مراد سے Obssessed ہیں۔''

''میرا خیال تھا یہ کیس آف دی ائیر ہو گا مگر اب مجھے لگتا ہے کہ یہ کیس آف دی سنچری بن سکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''میں آج سارا دن اسی بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' وہ پر جوش سے ہو کے قریب آئے اور جلدی جلدی بتانے لگے۔ ''کیا معلوم تالیہ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس نے ایڈم اور آپ کے ساتھ واقعی وقت میں سفر کیا ہو۔''

''واٹ؟'' وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''جی....اور اگر یہ درست ہے....اور وہ واقعی آپ کی بیوی ہے....جیسا کہ اس نے مجھے بتایا کہ آپ کی قدیم ملاکہ میں شادی ہوئی تھی....اور وہ انگوٹھی واقعی اسے سلطان مرسل نے دی تھی۔ تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کے لئے وقت میں سفر کرنا ممکن ہے۔ جانتے ہیں میں آج پمبورو کے بارے میں پڑھ رہا تھا....اور....''

''ایک منٹ....'' اس نے پرجوش سے احمد نظام کو ٹوکا۔ ''اس نے آپ سے کہا کہ وہ میری بیوی ہے؟'' اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"جی۔ آپ اس کے ساتھ وقت میں پیچھے گئے تھے۔ آپ ایک غلام تھے۔ ہن بادوا نگ لی کے غلام۔ اور وہ ملاکہ کی شہزادی تھی اور۔۔۔" وہ پرجوش سے بتا رہے تھے اور فاتح نے کراہ کے آنکھیں موندیں۔

وہ بی این کا صدر تھا اور وہ جس لڑکی کے لیے ایک پراسیکیوٹر کے گھر تک آ گیا تھا۔ وہ اس کو یوں کہانیاں سنا کے شرمندہ کر سکتی ہے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"پہلے مجھے لگا وہ جھوٹ بول رہی ہیں مگر پمبورو کے بارے میں کہانیاں مشہور ہیں کہ کس طرح وہ وقت میں سفر۔۔۔"

"میں۔۔ مجھے یاد آیا مجھے گھر پہنچنا تھا۔ ایک ڈنر ہے گھر پہ۔" اس نے ماتھے کو چھو کے کہا۔ اس کے اندر ایک دم تالیہ کے لیے غصے کا ابال اٹھا تھا۔ اور شرمندگی اتنی تھی کہ حد نہیں۔

"اوہ۔ لیکن اگر آپ اس کیس کو اٹھائیں تو ہم دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ انسان آج بھی وقت میں سفر کر سکتا ہے۔ میں ہمیشہ سے کوانٹم فزکس پڑھنا چاہتا تھا مگر۔۔"

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ مجھے ابھی جانا ہے۔" وہ مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ تیزی سے پلٹا اور باہر نکل گیا۔

کار میں آ کے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ شہزادی، غلام، وقت میں سفر۔ واٹ دا ہیل۔ اس نے انگوٹھے اور دو انگلیوں سے دکھتے سر کو دبایا۔ تالیہ کس طرح کی کہانیاں سنا رہی تھی لوگوں کو، یہ کہانیاں اس کو بدنام کر سکتی تھیں۔ اس کی معاشرے میں ایک ساکھ تھی، ایک مقام تھا۔ یا اللہ۔ اعتراف کی بے خوفی اپنی جگہ مگر یہ دونوں کا رشتہ؟ یہ تو جھوٹ تھا۔

فرنٹ سیٹ کے شیشے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکا۔ پھر بٹن دبایا تو شیشہ نیچے گرنے لگا۔ کھڑکی میں احمد نظام کھڑے تھے۔

"میں نے سارا ریسرچ ورک اس باکس میں ڈال دیا ہے۔ یہ آپ لے جائیں۔ اگر یہ کیس آف دی سنچری بھی ہے تو میں

سمجھ گیا ہوں کہ میں یا آپ اس کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہوسکتا ہے یہ آپ کے کسی کام آئے۔"

اس نے چپ چاپ ان کو باکس پچھلی سیٹ پہ رکھنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی احمد نظام نے دروازہ بند کیا، وان فاتح نے کار آگے بھگا دی۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہی درد کرتا تھا۔

☆☆==========☆☆

وان فاتح کی رہائش گاہ کے اندر عشائیے کی گہما گہمی عروج پہ تھی۔ طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد تمام مہمان اپنی جگہوں پہ بیٹھے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایسے میں جامنی اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس مسکراتی ہوئی عصرہ کچن کے دروازے سے چلتی آرہی تھی جب اس نے فاتح کے باڈی مین کو فاصلے پہ متامل کھڑا پایا۔ مسکراتے ہوئے ابرو سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"میم۔ فاتح صاحب نے کار کی چابی لی۔۔۔ اور۔۔۔" بدقت اس نے نظریں جھکا کے بتایا۔ مگر پھر نگاہ اٹھائی تو عصرہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے اندازہ تھا۔" اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں صرف دو کرسیاں خالی تھیں۔ ایک سربراہی اور دوسری اس کے دائیں ہاتھ۔ عصرہ جامنی اسٹول سر پہ سلیقے سے جماتے ہوئے آگے آئی اور سربراہی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ پھر نزاکت سے نیپکن اٹھا کے گود میں پھیلایا۔ سب رک کے اسے دیکھنے لگے۔

"میرا خیال ہے اگر شوہر چلا جائے تو بیوی کو اس کی سربراہی کرسی لینے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔" مسکرا کے بولی تو سب ہنس دیے۔ جب سے فاتح بی این کا صدر بنا تھا، لوگ عصرہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے تھے جیسا کسی فرسٹ لیڈی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تحائف، چاپلوسی، تعریفیں، اور دھیمے سے اپنا کام کہہ دینا۔ وہ سرہلا کے سب کو سنتی تھی، کسی کو اشارہ دے دیتی، کسی کو صرف مسکراہٹ سے نوازتی، اور کسی کی بات ان سنی کر جاتی۔ طاقت آگ کی ایسی دیوی تھی جس کے گرد سب پتنگوں کی طرح چکر کاٹنے لگتے تھے۔ کچھ کو سونے کے پر عطا کر دیے جاتے۔ کچھ جل جل کے وہیں گرتے جاتے تھے۔ دیوی درمیان میں بے نیاز سی کھڑی رہتی۔

کھانے کے بعد ملازمہ ٹرے میں ایک چھوٹا چاکلیٹ کیک سجا کے لائی تو عصرہ کھنکھاری اور دانستہ آواز بلند کی۔ "ارے یہ نہیں۔ یہ تو ہم نہیں کھا سکتے۔"

مہمانوں نے گردنیں موڑ کے ملازمہ کو دیکھا جو کیک ڈش پکڑے گڑبڑا گئی تھی۔ (بیگم صاحبہ نے ابھی خود ہی تو کہا تھا

کہ......)

''اور وہ کیوں عصرہ؟'' ایک خاتون نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

عصرہ نے کہنیاں میز پہ رکھیں اور ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکا کے دلچسپی سے اس کیک کو دیکھا۔

''بھئی یہ تالیہ نے بنایا ہے۔ تالیہ مراد نے۔ ہر روز بیک کر کے فاتح کے لئے بھیجتی ہے۔ اب وہ اتنے پیار سے بناتی ہے تو میں فاتح کے لئے چھوڑ دیتی ہوں۔'' ساتھ ہی مسکرا کے ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

''اچھا۔ تالیہ مراد۔''

''کہاں ہوتی ہے وہ آج کل۔''

''یہیں ہوتی ہے۔ آتی جاتی رہتی ہے۔'' عصرہ خوش دلی سے بتا رہی تھی۔ ''میں حیران ہوتی ہوں کہ کس طرح بے چاری روز کیک بیک کر لیتی ہے اور وہ بھی فاتح کے فیورٹ کیکس۔''

''ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں؟''

''ارے میں تو کھا نہیں سکتی نا۔ ان میں جو نٹس ہوتے ہیں ان سے مجھے الرجی ہے۔ کبھی گاجر کا کیک بھیجے تو میں کھا لیتی ہوں۔''

دو خواتین نے معنی خیز خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وان فاتح کی بیوی کی جو معصومیت سے بتائے جا رہی تھی۔ پھر ان میں سے ایک بولی۔

''ہر روز کیک بنانے میں کسی عورت کی بہت محنت لگتی ہے عصرہ۔''

''اس کی تو محنت لگتی ہے مگر فاتح کو تو کیلوریز لگتی ہیں نا۔ میں اتنا کہتی ہوں' ہر روز نہ کھایا کرو' ویٹ گین کر لو گے مگر آپ کے چیئرمین صاحب سنتے ہی نہیں۔'' وہ گردن کے نیکلیس پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سادگی سے بتا رہی تھی۔

ڈائننگ ہال میں اس بات پہ ایک مصنوعی قہقہہ گونجا تھا۔

ملازم اب دو طرح کے سوئیٹس سرو کر رہے تھے اور اوپر لگے کانچ کے روشن فانوس خاموشی سے اس طویل میز پہ بیٹھے مہمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆=========☆☆

دوسرا دن:۔

اس صبح وہ ناشتے کی ٹیبل پہ آیا تو اس کا موڈ آف لگتا تھا۔عصرہ دائیں ہاتھ کی کرسی پہ پہلے سے بیٹھی نظر آتی تھی۔اسے دیکھ کے مسکرائی۔وہ مسکرا بھی نہ سکا۔سوٹ' ٹائی اور کف لنکس پہنے' بال جیل سے دائیں جانب جمائے' وہ آفس کے لئے تیار لگنے کے ساتھ ساتھ بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔بس کرسی کھینچ کے بیٹھا اور اخبار چہرے کے سامنے کرلیا۔

''رات تم دیر سے گھر آئے۔'' عصرہ ہلکی سی شال کندھوں پہ لپیٹے بیٹھی' مگ سے گھونٹ بھرتے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے محض 'ہوں' کیا۔عصرہ نے اخبار کا کونا ذرا سا موڑ کے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

''تالیہ کا آج پھر کیک آیا ہے۔لے آؤں۔''

فاتح نے چونک کے چہرہ اٹھایا' پھر تعجب سے اسے دیکھا۔

''وہ ان کی تحویل میں ہے۔وہ کیک کیسے بھیج سکتی ہے؟''

''یہ کب کہا کہ اس نے آج بھیجا ہے؟ میں نے کوریئر والے سے پوچھا تھا۔اس نے کہا کہ ایڈوانس بکنگ کروا رکھی ہے کسی بیکری سے۔ہر روز تمہاری پسند کے کیک آئیں گے۔شاید اسے لگتا ہے تمہیں ذیابیطس کی ضرورت ہے۔'' اور مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''تم کھالینا۔'' وہ بےزاری سے واپس اخبار پڑھنے لگا۔اسے ایک دفعہ پھر سے تالیہ پہ غصہ آنے لگا تھا۔

''میں کیسے کھا سکتی ہوں۔کون سا میرے لئے بھیجا ہے اس نے۔''

''عصرہ تم اس کو پسند کرتی ہو یا ناپسند۔تم ایک دفعہ اس بات کا فیصلہ کیوں نہیں کرلیتیں۔''

وہ جھنجھلا کے اخبار نیچے کر کے بولا تو عصرہ اسی طرح مسکرا دی۔

''تم اس کو پسند کرتے ہو یہی بہت ہے۔اور کیک میں نٹس ہیں۔میں نہیں کھا سکتی۔''

''میں اس کو پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ میری چیف آف اسٹاف ہے' میری کولیگ ہے۔'' وہ ایک دم برہمی سے بولا تو عصرہ نے اسی سکون سے اسے دیکھا۔

''اس میں اتنا گلٹی ہونے والی کیا بات ہے۔''

''میں گلٹی نہیں ہوں عصرہ۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور کندھے اچکائے تو عصرہ محمود کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''کوئی اور عورت ہوتی تو شاید میں گلٹی ہوتا۔مگر تالیہ.... تالیہ سے اپنا تعلق مجھے بہت عزیز ہے۔اس لئے اس کے بارے

میں طنز سے بات نہ کیا کرو۔" اس کا انداز حتمی تھا۔ پھر وہ اخبار رکھ کے اٹھ گیا۔

وہ اس پل گویا انگاروں پہ لوٹ گئی تھی۔ بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تو پکار اٹھی۔

"ناشتہ نہیں کرو گے؟"

"وہ کیک کار میں بھجوا دینا۔ وہی کافی ہے میرے لئے۔" تلخی سے کہہ کے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا آگے بڑھتا گیا۔ عصرہ کی آنکھیں شدت ضبط سے گلابی پڑنے لگیں مگر اس کو پلان کے مطابق چلنا تھا۔

فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ اس نے arsenic کو چنا ہی اس لئے تھا.... کیونکہ وہ ایک بہت اچھا سلو پوائزن تھا۔ اس کی چند ہلکی مقداریں بے ضرر تھیں لیکن اگر روز تھوڑا تھوڑا کھایا جائے... تو چند ہفتوں میں وہ انسان کو آہستہ آہستہ گھول کے مار دیتا تھا۔

وہ ملازمہ کو آواز دینے لگی۔ فاتح کو یہ کیک ہر روز کھانے تھے۔ لازمی۔

☆☆=========☆☆

ایڈم اسٹوڈیو میں بیٹھا تھا جب اس کا فون زور زور سے بجنے لگا۔ اس نے موبائل نکال کے دیکھا تو کوئی انجانا نمبر تھا۔ جب سے وہ سلیبرٹی بنا تھا' یہ کالز اور پیغامات کا بندھا تانتا اسے بوکھلائے دیتا تھا۔ شروع میں وہ کوشش کرتا کہ ہر ایک کو اچھے سے جواب دے مگر فینز کی توقعات بڑھتی جاتی تھیں۔ وہ اب سرے سے جواب ہی نہیں دیتا تھا تا کہ کوئی ہرٹ نہ ہو۔ یہ نمبر بھی اس نے اسپام لسٹ میں ڈال دینا تھا اگر وہ اس پہ لگی واٹس ایپ کی ڈی پی نہ دیکھ لیتا۔

ڈی پی میں موجود شخص کو وہ پہچانتا تھا۔ فہمی بن سلام۔ وہ چونک گیا۔ پھر جلدی سے اطراف میں بیٹھے پروڈیوسر اور اینالسٹ سے معذرت کی اور اٹھ کے باہر آ گیا۔ کال تب تک کٹ چکی تھی۔

ایڈم نے سڑک پہ آتے ہی فوراً کال بیک کی۔

"کیا حال ہیں مسٹر سلیبریٹی؟ میری فائلز چوری کر کے تم ماشاءاللہ رائٹر بن چکے ہو۔" طنزیہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔

سڑک کنارے کھڑا ایڈم کھنکھارا۔ اسے احساس تھا کہ کالز ریکارڈ ہو سکتی تھیں۔ "وہ فائلز آپ نے خود دی تھیں۔ اور....."

"یہی بات میرے ماں باپ کے سامنے کہہ سکتے ہو؟"

ایڈم لمحے بھر کو سن رہ گیا۔ "جی؟"

"جانتے ہو میں نے ابھی تک پولیس میں تمہاری رپورٹ کیوں نہیں درج کروائی؟" وہ پرسکون سا کہہ رہا تھا۔ "کیونکہ جب ہانگ کانگ پیپرز منظر عام پہ آئے تو مجھے معلوم تھا ہماری لاء فرم بند ہو جائے گی۔ ہمارے قریباً تمام بڑے کلائنٹس ہمیں

چھوڑ گئے ہیں اور فرم دیوالیہ ہو چکی ہے۔ مجھے اب نئی نوکری ڈھونڈنی ہے۔ میرا اور میرے ماں باپ کا یہی جھگڑا تھا۔ کہ میں اس حرام کی نوکری کو چھوڑ دوں۔ کیا تم میرے ماں باپ کو یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہارا وسل بلوور میں تھا؟ یوں میں ہیرو بن جاؤں گا اور وہ مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا؟"

"کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس ہماری فرم کے تمام کلائنٹس کے نام نہیں ہیں۔ میرے پاس ہیں۔ تم نے اپنے انٹرویو میں بار بار اپنے وسل بلوور کے ناراض ماں باپ کا ذکر کر کے مجھے پیغام بھیجنے کی کوشش کی ہے، ایڈم۔ میں تمہارے اشارے سمجھتا ہوں۔"

ایڈم خاموش رہ گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا مگر....

"میں تمہیں دوری نگارہ ملایو کا دوسرا پارٹ لکھنے کے لیے مواد اور ضروری کاغذات سب فراہم کر دوں گا۔ تم صرف میرے ماں باپ کو یہ یقین دلا دو کہ میں ہی اس کہانی کا Unsung ہیرو ہوں۔"

"اور اس کے بعد تم کیا کرو گے؟" وہ بات کرتے ہوئے سڑک کنارے واک کرنے لگا۔

"میں دوبارہ کسی ایسی ہی لاء فرم میں جاب کر لوں گا۔ کلائیڈ اینڈ لی بدنام تھی۔ نئی لاء فرم ملائیشیاء میں ڈھونڈ لوں گا جو بدنام نہ ہو۔ میرے ماں باپ کو علم نہیں ہو گا کہ میں اب بھی حرام کما رہا ہوں۔ یہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میں اپنی روش پہ شرمندہ ہوں یا اسے بدل رہا ہوں۔ میں صرف اپنے ماں باپ کو منانا چاہتا ہوں۔ بولو منظور ہے؟"

اس کا انداز بڑا کیلکولیٹڈ سا تھا۔

"خیر.. تم اپنی زندگی میں جو بھی کرو' اس کا مجھ سے تعلق نہیں ہے۔ مجھے یہ ڈیل منظور ہے۔ امید ہے اپنے والد کے ساتھ رہ کے تم حلال اور حرام میں فرق کرنا سیکھ جاؤ گے۔ البتہ ایک بات میں پوچھنا چاہتا ہوں۔" وہ ٹھہر کے بولا۔ "تم نے کبھی میرے خلاف پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی؟"

"کیونکہ تم نے میرا جو فون چرایا تھا' اس میں میرے بینک اکاؤنٹ کا لاگن ڈیٹا بھی تھا اور کریڈٹ کارڈ ڈیٹا بھی۔ تم تھوڑی سی محنت سے وہ حاصل کر سکتے تھے۔ مگر تم نے اس کو چھیڑا تک نہیں۔ میں ایماندار باپ کا بیٹا ہوں۔ کسی ایماندار شخص کو گرفتار نہیں کروانا چاہتا تھا۔ اب.... دیکھو میری انویسٹمنٹ کام کر گئی نا۔ پھر آ رہے ہو کل ملاکہ میرے گھر؟"

"دیکھو اگر تو تم نے مجھے وہاں بلا کے پٹوانا ہے تو میں بتا دوں' میں پولیس اور اپنے وکلاء کو فاصلے پہ کھڑا رکھوں گا۔" وہ محتاط سا کہہ رہا تھا۔ یہ فہمی بن سلام انتہائی یونیک آدمی تھا۔

"دیکھو..... میں حرام کمانے والا وکیل ضرور ہوں اور کورٹ میں بہت جھوٹ بولتا ہوں مگر میں تمہاری طرح ڈرامہ کوئین نہیں ہوں۔ دیگر نام چاہیے ہیں تو آجانا کل۔"

اور فون بند ہو گیا۔ ایڈم نے گہری سانس لے کر موبائل کو دیکھا اور پھر گردن اٹھا کے ٹھنڈی سی چھایا لئے آسمان کو۔

کے ایل چھوڑ کے جانے کا مطلب تھا پتا لیہ کو نہ ڈھونڈنا۔ مگر وہ تالیہ کو ڈھونڈ بھی کیسے سکتا تھا۔ تالیہ کے لئے فاتح بہت تھا اور ایڈم کے لئے اس کی کتابیں۔ کتابیں پڑھنا' کتابیں لکھنا ایک ٹائم لیس شوق تھا اور کسی ٹائم لیس چیز کی محبت' انسانوں سے محبت کرنے سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ ٹائم لیس شے دل کو یوں نہیں دکھاتی جیسے انسان دکھاتے ہیں۔

اسے ابھی اسی وقت ملاکہ کے لیے نکلنا تھا۔ لازمی۔

☆☆=========☆☆

تیسری رات:۔

حالم کا بنگلہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ آج کسی نے پورچ کی بتی بھی روشن نہیں کی تھی۔ مالک نہ ہو تو گھر یونہی ویران ہو جاتا ہے۔ وہ سارا دن تالیہ پہ غصہ رہا تھا اور رات کو ڈرائیور کو بھیج کے اس نے خود اسٹیئرنگ سنبھالا تو کار خود بخود انہی شناسا راستوں کی طرف مڑ گئی۔

فاتح نے ہاتھ سے چھوٹے گیٹ کا کڑا کھولا اور اندھیر پورچ میں قدم رکھا۔ تالیہ کی کار وہیں کھڑی تھی اور اس پہ کور چڑھا تھا۔

"تالیہ واپس نہیں آئی۔"

آواز پہ وہ چونکا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔ اندھیر لان میں جھولے پہ داتن بیٹھی تھی۔

"میں اس کو ڈھونڈ لوں گا۔" وہ اسی مضبوطی سے کہتے ہوئے چھوٹے قدم اٹھاتا لان میں آ گیا۔ داتن کے سامنے لان میں جگہ جگہ سنگی اسٹول رکھے تھے۔ فاتح کرسی کے بجائے ایک اسٹول پہ بیٹھ گیا اور اندھیرے میں غور سے اسے دیکھا۔ وہ اداس نظر آتی تھی۔

"آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں تالیہ کو؟"

"سات سال سے....." وہ دور اندھیرے میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ کون و من کیوں بنی؟" اس نے دھیرے سے اگلا سوال پوچھا۔

"کیونکہ اس کے ساتھ اس کے شوہر نے دھوکہ کیا تھا۔ بلکہ ہر ایک نے....."

پھر وہ بولتی گئی۔ یتیم خانے سے شروع ہو کے اٹھائیس سالوں کی ساری کہانی چند منٹوں میں سناتی گئی۔ یہ کہانی پھر ایک فقرے پہ ختم ہوئی۔

"وہ اس زندگی کو چھوڑنا چاہتی تھی۔ ہر جرم کو سیکنڈ لاسٹ سمجھ کے کرتی تھی لیکن پھر اسے آپ ملے۔"

اور داتن نے نظروں کا رخ موڑ کے اندھیرے میں سنگی اسٹول پہ بیٹھے مرد کو دیکھا جو توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر تالیہ کی زندگی میں ملاکہ کی وہ رات آئی جو آپ بھول چکے ہیں۔"

"اس رات کیا ہوا تھا؟" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"یہی سوال آپ نے حالم سے پوچھا تھا۔ آج مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ وان فاتح ہم لوگ کیوں آپ کے حصے کی جدوجہد کریں؟ اس کا جواب آپ کو خود ڈھونڈنا ہے۔"

یہ کہہ کے اس نے موبائل آن کیا تو اندھیر لان میں بیٹھی داتن کے چہرے پہ اسکرین کی نیلی روشنی پڑنے لگی۔

"اس رات آپ کی اسپورٹس واچ کا جی پی ایس ڈیٹا ہم نے ٹریک کیا تھا۔ آپ جہاں جہاں گئے تھے وہ سارا ڈیٹا میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔" فاتح کو جیب میں موجود موبائل کی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی مگر وہ اسی طرح داتن کو آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھے گیا۔

"ایسا کیا ہے جو آپ کو معلوم ہے مگر مجھے نہیں۔"

"میں آپ کو جواب دے چکی ہوں۔" فربہی عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھا۔ داتن نے چابیوں کا ایک گچھا اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ تالیہ کے گھر کی تمام چابیاں ہیں۔ میں جا رہی ہوں اور جانتی ہوں کہ آپ یہاں آتے رہیں گے۔"

"آپ اس کا انتظار نہیں کریں گی کیا؟"

"ایڈم آج ملاکہ چلا گیا ہے۔ میں اپنے بیٹوں کے پاس جا رہی ہوں۔ آپ کو بھی تالیہ کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔"

فاتح نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے چابی لی۔ "مگر کیوں؟ وہ ہماری دوست ہے' اس کو تلاش کرنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیے۔"

داتن سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ "اس سوال کا جواب میں آپ کو دے چکی ہوں۔ فاتح صاحب۔" اور آگے بڑھ گئی۔ وہ چابی ہاتھ میں لئے اسے جاتے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم پکارا۔

"تالیہ لوگوں سے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں ایسی باتیں کیوں کہہ رہی ہے؟ اس نے پراسیکیوٹر سے کہا کہ وہ میری...." وہ رک گیا۔ خفگی سے زیادہ الجھن ہے۔ داتن گیٹ کے قریب رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔

"وہ سچ کہہ رہی ہے' وہی سچ جو اسے آپ نے بولنا سکھایا تھا۔" اندھیر میں وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ چلی گئی تو وان فاتح اندر آ گیا۔ کھڑکیوں کے پردے بند کیے اور کچن کی بتیاں جلا دیں۔ کچھ دیر بعد وہ ایک گرم چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتا' کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔

سامنے نوٹ پیڈ رکھا تھا اور ہاتھ میں قلم تھا۔ یہ تالیہ کے آرگنائزڈ کچن کی ٹوکری سے اس نے اٹھایا تھا جہاں ڈائریز' حساب کتاب کے کاغذ' خالی نوٹ پیڈ اور خط کے رنگ دار لفافے رکھے تھے جو تحفے میں پیسے دینے کے کام آتے تھے۔ وہ کافی دیر بیٹھ کے سوچتا رہا اور پھر لکھنا شروع کیا۔

"ڈیئر تالیہ......

میں دو دن تمہارے لئے پریشان رہا۔ آج میں تم پہ غصہ تھا۔ کیونکہ تم نے پراسیکیوٹر کو میرے بارے میں ایسی باتیں کہی تھیں جو نا قابلِ برداشت تھیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اب میں تمہاری فکر نہیں کروں گا۔ مگر میں دوستوں پہ Give up کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں یہاں آیا تھا تا کہ تمہارے دوستوں کے ساتھ تمہیں تلاش کرنے کی اسٹریٹیجی بناؤں مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے دونوں دوست تمہیں چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ وہ تمہیں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔ مجھے پہلے یہ بات اچھی نہیں لگی مگر اب میں یہ سمجھ گیا ہوں کہ وہ تمہیں کیوں نہیں ڈھونڈنا چاہتے۔ کیونکہ اکثر انسان یہی غلطی کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے کسی پیارے کو کھوتے ہیں تو اسکی تلاش میں نکل پڑتے ہیں' اس کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں' یا اس کی یاد میں سوگوار رہتے ہیں مگر تم نے اپنے دوستوں کو جو چیز سکھائی ہے' وہ وان فاتح کو بھی سیکھنی چاہیے۔ جب ہم کسی اپنے کو کھوتے ہیں تو تکلیف کے اس لمحے میں ہمیں صرف ایک شخص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اپنے آپ کو۔

ایڈم ملاکہ چلا گیا ہے۔ اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے اور شاید خود کو مضبوط بنانے۔

داتن اپنی فیملی کے پاس جا رہی ہے تا کہ وہ اپنے آپ کو ڈھونڈ سکے اور اپنے اندر سے اس مثبت انسان کو باہر نکال سکے جو اسے تالیہ نے بننا سکھایا تھا۔

اور رہا میں.... تو مجھے بھی اب تالیہ کو نہیں ڈھونڈنا۔ مجھے اپنے آپ کو اور اس کھوئی رات کو ڈھونڈنا ہے۔ کیونکہ ہم تینوں

جب خود کو ڈھونڈ لیں گے تو ہم تالیہ کو بھی تلاش کر لیں گے۔

ہم سب کو اس وقت تالیہ کے بغیر اپنے اصل کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ شاید تم بھی یہی چاہتی تھیں۔ اسی لیے تم نے مجھے وہ مجسمہ توڑنے کے لیے کہا تھا۔ میں اپنے آئیڈیل کا مجسمہ توڑنے کے لیے تیار ہوں۔

وان فاتح۔"

چائے کا مگ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے بے پرواہی سے مگ وہیں دھرا اور وہ کاغذ تہہ کر کے ایک لفافے میں ڈالا۔ کبھی تو وہ واپس آئے گی اور اس کو پڑھے گی۔ ایک دم سے وہ بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆==========☆☆

تیسرا دن:۔

اس صبح بی این کے دفتر کی لابی میں معمول کے مطابق کام جاری و ساری تھے۔ یہ بالائی فلور تھا اور یہاں پاور آفسز تھے، اور عام ورکرز کا داخلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے قیمتی فرنیچر سے آراستہ لابی اس وقت خاموش پڑی تھی جب ہشام جبر جیس لفٹ سے نکلا تھا۔

اسے وان فاتح کے آفس میں آنے کا پیغام ملا تھا اور وہ ساری مصروفیات ترک کر کے سیدھا یہاں آ گیا تھا۔ وہ دراز، اٹھی گردن اور اکھڑ انداز والا آدمی تھا جو لابی میں موجود ریسپشنسٹ کے سلام کا جواب دینے کی بجائے، تنے ابرو کے ساتھ سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ سیاہ کی ریاست میں اس کی امارت اور طاقت کے قصے زبان زد عام تھے۔ لابی سے فاتح کے آفس تک راستے میں جس ورکر نے ڈیسک سے سر اٹھا کے اسے دیکھا، اس کی نظروں میں مرعوبیت اور ناپسندیدگی دونوں تھی۔

ہشام نے دستک دے کر چیئر مین کے آفس کا دروازہ کھولا اور کھنکھار کے اندر داخل ہوا۔

"السلا....." سلام لبوں میں رہ گیا۔ وہ ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔ پھر اگلے ہی پل چہرے پہ خوشگوار تاثر سجا لئے۔

"مسز عصرہ..... آپ؟ میں سمجھا مجھے وان فاتح نے بلایا ہے۔"

چیئر مین کی سیٹ پہ عصرہ محمود براجمان تھی۔ سر پہ اسٹول لئے، کانوں میں دمکتے موتی پہنے، وہ بنی سنوری سی عورت مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"فاتح نے آج ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے۔ وہ ملاکہ چلا گیا ہے۔"

"اوہ.....خیریت؟" ہشام نے تشویش سے کہتے ہوئے کرسی کھینچی۔ عصرہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''وہ اتنے دنوں سے لگاتار کام کر رہا تھا۔ چھٹی اس کا حق ہے۔ ملاکہ میں اس کے باپ کا گھر ہے جہاں جا کے وہ بہتر محسوس کرتا ہے۔''

''اور انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں آپ کو آفس کی ذمہ داری دے دی؟'' ہشام نے مسکرا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ارے نہیں.... میں تو چند چیزیں لینے آئی تھی' پھر سوچا آپ سے ملاقات کرلوں کیونکہ....'' مٹھیاں باہم پھنسا کے آگے کو جھکی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''اس کی خالی کرسی دیکھ کے مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا ہے' ہشام۔''

''مثلاً کیا؟'' وہ پوری توجہ سے میز کے پار بیٹھی عورت کو دیکھ رہا تھا اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں پارٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''وان فاتح ہیں نا اس کام کے لئے۔'' اس نے احتیاط سے کہا۔

''اور اگر وان فاتح کی کرسی خالی ہو جائے تو؟ پھر پارٹی کا کیا ہوگا؟''

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ہشام دھیرے سے آگے کو ہوا اور تشویش سے عصرہ کو دیکھا۔

''فاتح صاحب کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا؟ کوئی ہارٹ وغیرہ کا پرابلم تو نہیں ہے؟''

''پارٹی چیئرمین کو پرابلم نہ ہو تو بھی لوگ کروا سکتے ہیں پرابلم۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی فاتح کو اس کرسی سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کیا ان کی جان کو خطرہ ہے؟''

''جب وہ بغیر سیکیورٹی ڈیٹیل لئے باہر نکل جایا کرے گا تو خطرہ نہیں ہوگا کیا؟'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔ ہشام نے پہلو بدلا۔

''تو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''دیکھیں ہشام.... اگر کوئی قریبی شخص فاتح کو مارنے کی کوشش کرے گا تو صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی جگہ لینا چاہتا ہوگا۔ اگر ہم اس امکان کو ہی ختم کر دیں تو کسی کو فاتح کو مار کے کچھ نہیں ملے گا۔''

''اگر خدانخواستہ وان فاتح کو کچھ ہوا بھی تو ان کی جگہ آنے والے نیا چیئرمین پارٹی الیکشن سے ہی منتخب ہوگا۔''

''آپ بھول رہے ہیں کہ فاتح نے نائب چیئرمین ابھی تک نامزد نہیں کیا۔''

''نائب چیئرمین کا رواج اب ہٹ گیا ہے' مسز عصرہ۔''

''مگر یہ پارٹی کے قانون میں شامل ہے اور چیئرمین کے ایک دستخط سے نائب کا عہدہ پُر کیا جا سکتا ہے۔''

ہشام سوچ میں پڑ گیا۔عصرہ کے غیر متوقع سوالات اس کو الجھا رہے تھے۔

"پارٹی میں بہت سے لوگ ہیں۔اشعر....نہیں اشعر نہیں' لوگ اس کو اتنا پسند نہیں کرتے۔No Offence۔مگر نائب چیئر مین صرف وہی شخص بن سکتا ہے جس پہ وان فاتح اعتماد کا اظہار کریں۔گاڈ' مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم وان فاتح کی موت کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔" اس نے جھرجھری لی۔

"اسی امکان کو ختم کرنے کے لئے ہمیں فاتح سے نائب کا عہدہ پُر کروانا ہوگا۔ایسا شخص جو قابلِ اعتماد ہو' اور کبھی فاتح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔یوں وان فاتح اپنے قریبی دوستوں کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔"

"آپ کے خیال میں ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟"

عصرہ محمود مسکرائی اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نائب چیئر مین اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو چیئر مین کے آفس کی ایک کال پہ ساری مصروفیات چھوڑ کے بھاگا چلا آئے؟"

ہشام جمجیس چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔وہ بس عصرہ کو دیکھتا رہا۔اس کا ذہن تیزی سے سارے حساب کتاب کرنے لگا تھا۔اور پھر بالآخر وہ مسکرا دیا۔

☆☆=========☆☆

ملاکہ کا شہر اپنی تمام رعنائیوں' رونقوں اور خوشبوؤں کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسا وہ اسے چھوڑ کے گیا تھا۔سن باؤ کے گھر کے سامنے بازار میں رونق لگی تھی۔فاتح کو ہمیشہ یہاں آ کے اچھا محسوس ہوتا تھا۔عام لوگوں کے درمیان......ان کی عام باتوں اور عام مسئلوں کو سننا.....کے ایل کی مصروفیات' پارلیمان کے ایوانوں اور بی این کے آفس کی سازشوں بھری زندگی سے دور یہ شہر قدیم زمانوں کا فسوں لئے ہوئے تھا۔

اس نے کار گلی میں روکی' اور باہر نکلا۔جینز کے اوپر سفید ڈریس شرٹ پہنے وہ ایک لمبی چھٹی کے موڈ میں لگتا تھا۔سرخ حویلی کا دروازہ کھولنے کے لئے چابی نکالی تو ٹھٹک گیا۔دروازہ پہلے سے کھلا تھا۔

پہلا خیال اسے تالیہ کا آیا۔صرف اس کے پاس چابی ہوتی تھی۔کیونکہ یہ گھر اس نے کرایے پہ لے رکھا تھا۔

فاتح تیزی سے اندر آیا۔راہداری سے گزر کے کمروں میں جھانکتا وہ برآمدے میں آیا تو قدم زنجیر ہوئے۔

سامنے میز کے ساتھ ایڈم کھڑا اپنا لیپ ٹاپ اور دوسری چیزیں ایک بیگ میں ڈال رہا تھا۔آہٹ پہ وہ بھی پلٹا تو فاتح کو ادھر دیکھ کے ساکت رہ گیا۔

"آپ یہاں؟"

"یہ میرا گھر ہے ایڈم۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وان فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے البتہ ضبط سے بولا۔

"چے تالیہ نے مجھے اس کی چابی دے رکھی تھی۔" اس نے چابیوں کا گچھا سادگی سے میز پہ ڈال دیا۔"میں نے بنگا را ملایو اسی گھر میں لکھی تھی اور یہیں سے ان فائلز کا راز ڈھونڈا تھا اور....."

"دوری نگارہ ملایو۔" اس نے تصحیح کی تو ایڈم ٹھٹکا۔پھر ماتھے کو چھوا۔

"جی وہی۔میرا مطلب تھا۔" گڑبڑا کے بولا۔"میں ابھی آیا تھا اپنا سامان اٹھانے جو آخری دفعہ ادھر رہ گیا تھا۔میں جا ہی رہا تھا۔" نظریں جھکا کے وہ جلدی جلدی اپنا سامان بیگ میں ڈالنے لگا۔

فاتح پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا اس نوجوان کو چند لمحے دیکھتا رہا۔برآمدے میں آتی دھوپ اس کے وجود کو منور کیے ہوئے تھی۔یہ لڑکا اس باڈی مین سے مختلف تھا جو اس کے پاس گیارہ دن کام کرنے کے لئے آیا تھا۔

ایڈم نے بیگ کی زپ بند کی اور چہرہ اٹھایا تو فاتح اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تالیہ کا کچھ پتہ چلا سر؟"

"وہ آجائے گی۔" اس نے مختصراً کہا اور پھر صحن کی طرف آ گیا۔صحن کے وسط میں کھڑے وہ گردن اٹھا کے وانگ لی کے اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔

"جب تالیہ یہاں آتی تھی تو کیا اس نے کبھی اس مجسمے کے بارے میں کچھ کہا تھا؟"

ایڈم نے چونک کے فاتح کو دیکھا جو اس کی طرف پشت کیے کھڑا مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔جدید ملاکہ میں دونوں کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔"

فاتح ایڑیوں پہ گھوما اور غور سے اسے دیکھا۔"کیا تالیہ نے کبھی کوئی مجسمہ بنایا تھا؟ اس سے ملتا جلتا؟" اس کے دل میں تالیہ مراد کے کہے آخری الفاظ کسی پھانس کی طرح چبھے تھے۔

ایڈم نے نظریں اٹھا کے پہلے مجسمے کو دیکھا پھر فاتح کو۔پھر جب بولا تو لہجہ محتاط تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ہو سکتا ہے اس نے وانگ لی کا کوئی اور مجسمہ بنایا ہو جو یہیں کہیں ہو۔" پھر دیکھا کہ ایڈم بس اسے دیکھے جا رہا ہے تو ہاتھ سے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔"یعنی... یہ آدمی وانگ لی تھا۔اپنے وقت کا ایک عظیم چینی سفیر۔غلام ہونے کے باوجود اس نے

ملاکہ کے لوگوں کے لئے آواز اٹھائی تھی اور شہزادی تاشہ نے....."

ایڈم بن محمد کے لئے مزید اداکاری کرنا ممکن نہ تھا۔اس کے اندر غصے کا ایک ابال اٹھا تھا۔

"وانگ لی کوئی ہیرو نہیں تھا' سر۔وانگ لی شاہ چین کا وفادار تھا اور اس نے ملاکہ کو قرضوں کی بیڑیوں میں جکڑ دیا تھا۔اس نے ملاکہ کے غلاموں کو آزاد کروایا تھا' نہ اس نے وہ جرائت مندانہ باتیں کہی تھیں جو بنگارایا ملایو میں اس کے نام سے منسوب ہیں۔تاریخ کی کتابیں سچ نہیں کہتیں۔" وہ تلخی سے بولتا گیا اور پھر ایک دم چپ ہوا۔فاتح ابرو بھینچ کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور سن باؤ کے بارے میں کس مورخ نے یہ سب لکھا ہے جو تم کہہ رہے ہو؟"

ایڈم نے لب بھینچ لئے۔وہ وانگ لی کے ایک 'فین' سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔

"سوری سر۔مجھے نہیں معلوم چے تالیہ نے کون سا مجسمہ بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے۔" اور مڑ کے اپنا بیگ اٹھانے لگا۔اتنی مشکل سے وہ 'کام' پہ توجہ مرکوز کر کے تالیہ اور فاتح کی کہانی سے نکل کے ملاکہ آیا تھا اور... یہاں پھر وہی سب اس کا منتظر تھا۔

"اس نے کہا کہ اس نے یہ مجسمہ توڑنے کے لئے بنایا ہے۔وہ کیوں چاہتی ہے کہ میں اس مجسمے کو توڑوں؟" وہ الجھن بھری خفگی سے اونچا بڑبڑایا۔"یہ مجسمہ میری پیدائش سے پہلے سے یہاں موجود ہے۔یہ تاریخی ورثہ ہے۔"

ایڈم بن محمد کرنٹ کھا کے مڑا اور صحن میں کھڑے آدمی کو بے یقینی سے دیکھا۔

"یہ مجسمہ چے تالیہ نے توڑنے کے لئے بنایا تھا؟"

وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔

ذہن میں قدیم ملاکہ کی داستان ایک فلم کی طرح چلنے لگی۔

شہزادی تاشہ کو وانگ لی سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔پھر بھی اس نے مجسمہ بنایا۔وانگ لی کی دوستی کی خاطر نہیں جیسا کہ اس نے ایڈم سے بنگارایا ملایو میں لکھوایا تھا۔

مگر لوگ کہتے تھے کہ وہ وہاں کسی سے ملنے آتی تھی۔.....اتنے ماہ بعد ایڈم نے سوچا تو ذہن کے جالے صاف ہونے لگے .....وہ اور تالیہ ادھر تب آتے تھے جب فاتح وہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔وہ اس مجسمے کے بہانے کسی سے ملنے نہیں آتی تھی۔

وہ اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ اس نے یہ مجسمہ اس لئے بنایا تھا تاکہ نیچے جو خزانہ دہ چھپائیں' اس کے اوپر ایک نشانی ہو۔

مگر تالیہ کے پلان....تالیہ کی مرضی.....اس نے مجسمہ کسی اور شے کے لیے بنایا تھا۔

"آپ اس کو توڑ دیں۔" وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا۔"یہ مجسمہ چے تالیہ سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔"

فاتح چند لمحے کھڑا خفگی سے اس مجسمے کو دیکھتا رہا' پھر نفی میں سر ہلایا۔

"مگر اس میں ایسا کیا ہو سکتا ہے جو اتنا اہم ہو؟"

جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑی۔ برآمدہ خالی پڑا تھا۔ ایڈم بن محمد جا چکا تھا۔

اپنی تلاش کے سفر پہ۔

تالیہ کے بغیر رہنا سیکھنے کے لئے۔

اب وہ سن ہاؤ کے قدیم صحن میں تنہا کھڑا تھا۔

کنواں' کونے کا درخت اور وہ مجسمہ خود اس سے سوال کر رہا تھا کہ کیا وہ مٹی اور گارے کا بت تالیہ سے زیادہ قیمتی تھا؟

کیا کوئی شے وان فاتح کے لئے تالیہ مراد سے زیادہ قیمتی ہو سکتی تھی؟

چوتھی رات:۔

مغرب ڈھل چکی تھی۔ سن ہاؤ کے صحن میں تیز روشنیاں جلی تھیں اور چند یونیفارم میں ملبوس ورکرز مجسمے کے ملبے پہ کھڑے تھے۔

مجسمہ زمین بوس ہوا پڑا تھا اور ورکرز پیشہ وارانہ مہارت سے اس کے پتھروں کو الگ الگ کر کے توڑے جا رہے تھے۔

وان فاتح برآمدے کی آرام کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا' خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگ کافی دیر سے لگے تھے مگر ابھی تک ان کو مجسمے سے کوئی شے نہیں ملی تھی۔ ایک ورکر نے اسے بتایا تھا کہ صحن کا ایک بڑا حصہ یوں لگتا تھا تازہ تعمیر کیا گیا تھا۔

وہ سن کے خاموش ہو گیا۔ نہ جانے تالیہ اس کے گھر کے ساتھ کون سے تجربات کرتی رہی تھی۔

البتہ اسے تالیہ پہ غصہ نہیں آیا تھا۔ اسے تالیہ کے چھوڑے سوالوں کے جوابات تلاش کرنے تھے۔

صحن سے مسلسل کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فاتح بیٹھا بیٹھا تھک چکا تھا مگر اس گھر میں نہ کوئی اس کے لئے چائے بنانے والا تھا نہ یہاں چائے کے وہ خاص پتے موجود تھے جو تالیہ کے کچن میں ہوتے تھے۔ بالآخر وہ ریستوران سے کچھ آرڈر کرنے اٹھا تو ایک ورکر کی آواز آئی۔

"سر...... یہ دیکھیں۔"

وان فاتح کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تیزی سے صحن کی طرف لپکا۔

فلیش لائٹس اور پولز کی روشنی میں صحن کے وسط میں چکنا چور مجسمہ بکھرا نظر آ رہا تھا۔ تمام ورکرز ایک ٹکڑے کے اوپر اکٹھے

ہو چکے تھے۔ ایک آدمی زمین پہ بیٹھا مجسمے کے سینے کے حصے کے ٹکڑوں سے کچھ نکال رہا تھا۔ فاتح ہجوم کو ہٹاتا آگے آیا تو انہوں نے اس کو راستہ دے دیا۔

سینے کے حصے کو توڑنے پہ اندر سے ایک چھوٹا سا لوہے کا صندوق نکلا تھا جس کو جگہ جگہ سے زنگ لگا تھا۔ اس کو ایک تالے سے مقفل کیا گیا تھا۔ ورکر نے اسے زمین پہ رکھا تو فاتح نے بنا انتظار کیے ایک کلہاڑا اٹھایا اور زور سے تالے پہ ضرب لگائی۔ تالہ گل سڑ چکا تھا۔ ایک ہی وار میں ٹوٹ گیا۔

وہ چھوٹے صندوق کو اٹھا کے برآمدے تک لے آیا۔ روشنی میں اس لوہے کے اوپر بنے نقش و نگار واضح دکھائی دیتے تھے جن میں زنگ لگا تھا۔ فاتح کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جوش سے زیادہ پریشانی تھی۔

اس نے صندوق میز پہ رکھا' اور کنڈا کھول کے ڈھکن اٹھایا۔ ورکرز اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اندر ایک چھوٹا سا بلاک رکھا تھا۔ زرد بھورا سا بلاک۔ اس نے وہ بلاک نکال کے اوپر اٹھا کے غور سے دیکھا۔ وہ بھاری تھا اور..... فاتح کے ابرو تعجب میں اٹھے..... اور وہ غالباً سونے کا بنا تھا۔

وقت نے سونے کی چمک دمک ماند کر دی تھی۔ اس بلاک کی دیواریں سادہ تھیں۔ ان پہ کچھ لکھا ہوا نہ تھا۔ اس نے اسے ہلکا ہلایا تو محسوس ہوا کہ بلاک کے اندر کچھ کھڑکتا تھا۔ وہ بلاک اتنا بڑا تھا کہ فاتح اس کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا سکتا تھا۔ کچھ ہلکا پھلکا اندر کھڑکتا تھا۔ جیسے کچھ ڈالنے کے بعد سونے کو پگھلا کے 'بند' کر دیا گیا ہو۔ سونا وہ دھات تھی جو آسانی سے تباہ نہیں ہوتی تھی۔ اس صندوق اور سونے کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ عرصے سے اس مجسمے میں بند تھا۔

فاتح نے گردن موڑ کے اپنے صحن میں بکھرے ملبے کو دیکھا۔ تالیہ کو کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے میں کچھ تھا؟ یہ سوال اس ایک بھولی ہوئی رات سے بڑا معمہ بن چکا تھا۔

رات کو جب سب وہاں سے چلے گئے' اور صحن صاف ہو گیا تو وہ برآمدے کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا تھا اور کہنیاں میز پہ رکھے اس نوٹ پیڈ پہ لکھے جا رہا تھا۔

''ڈیئر تالیہ.....

میں نے تمہاری تلاش کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ میں اپنے تلاش کے سفر پہ نکل کھڑا ہوں۔ تمہاری دوست نے مجھے کہا کہ سچ بولنا میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ ایڈم نے بھی بہت سی باتوں کو مجھ سے منسوب کیا ہے مگر سارا مسئلہ یہ ہے کہ میرے جیسے لوگ جو دوسروں کو درس دیتے ہیں' اکثر ان اسباق کو خود بھول جاتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے بی این کا صدر بننے کے بعد میں اس فاتح رامزل کے ہالے سے دور نکل گیا ہوں جس کو تم جانتی تھیں۔ ملاکہ آنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ سیاست' جھوٹ اور مصلحتی

فیصلوں کی دنیا عجیب سی لگنے لگی ہے۔ میں ملاکہ کے بازاروں میں عام لوگوں کے درمیان چلتا ہوں تو وہ مجھے دیکھ کے سیلفی کے لئے دوڑے آتے ہیں‘ ہاتھ ملاتے ہیں‘ مگر میں آگے بڑھتا ہوں تو وہ سرگوشیوں میں کہتے ہیں کہ وان فاتح نے ہشام جرجیس جیسے لوگوں سے ہاتھ ملا کے وہی کیا جو پہلے والے کرتے آئے ہیں۔

مجھے لگتا تھا میرے اور پہلے والوں میں فرق ہے۔ اب بھی یہی لگتا ہے۔ مگر وہ فرق کیسے نظر آئے گا؟ مجھے اپنی تلاش کے اس سفر میں اسی فرق کو ڈھونڈنا ہے۔ آج اپنے جوابات کی تلاش میں‘ میں نے اپنے آئیڈیل وانگ لی کا مجسمہ توڑ دیا ہے۔ وہ تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد کیے جانے والا انسان تھا۔ ملاکہ آنے کے بعد اور یہاں بکھری تاریخ دیکھنے کے بعد میں یہی سوچنے لگا ہوں کہ مجھے تاریخ کیسے یاد رکھے گی؟

تم ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی تھیں۔ میری خواہش تھی کہ آج بھی تم میرے ساتھ ہوتیں۔

وان فاتح۔"

☆☆==========☆☆

چوتھا دن:۔

سن ہاؤس کے برآمدے میں آج ماحول مختلف لگ رہا تھا۔ بڑی میز وسط میں کھینچ رکھی تھی اور وہاں طرح طرح کے اوزار اور آلات پڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک آدمی دستانے پہنے‘ آنکھوں پہ حفاظتی چشمہ چڑھائے‘ ایک مشین کے نوکیلے حصے سے اس طلائی بلاک کو کاٹ رہا تھا۔ مشین کی آواز کانوں کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

فاتح بے صبری سے اس آدمی کے عقب میں سینے پہ بازو لپیٹے منتظر کھڑا تھا۔

بالآخر اس نے مشین بند کی اور چشمہ اتارا۔ پھر احتیاط سے بلاک کے اوپر والا ٹکڑا اٹھایا۔ فاتح تیزی سے آگے آیا۔

ڈبے کے اندر رکھی چیز واضح دکھائی دے رہی تھی۔

سنہری کتاب۔

اس آدمی نے وہ کتاب نکالی اور اسے احتیاط سے میز پہ رکھا۔ چند منٹ تک وہ اس کا جائزہ لیتا اور اسے صاف کرتا رہا۔

"اس کو مختلف preservatives کی مدد سے محفوظ کیا گیا ہے تاکہ یہ صدیوں بعد بھی درست حالت میں رہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ ڈرائی بون سینڈ ہوگی جس کے ساتھ قدیم مصر میں لاشوں کو حنوط کیا جاتا تھا۔"

اس نے اپنا دستانے والا ہاتھ کتاب کے سرورق پہ پھیرا تو سونے کا ورق مدھم سا دکنے لگا۔ اس پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔

"بنگارایا ملایو۔نسخہ اول۔از آدم بن محمد۔"

"واؤ۔کیا یہ بنگارایا ملایو کا پہلا قدیم نسخہ ہو سکتا ہے فاتح صاحب؟" اس نے پرجوش انداز میں چہرہ اٹھایا تو فاتح کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کے فوراً سر جھکا دیا۔"مگر آپ بے فکر رہیں۔اس کتاب کی دریافت کی خبر کسی کو نہیں ہو گی۔"

فاتح نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہٹنے کو کہا اور خود آگے آیا۔پھر اس کتاب کا پہلا صفحہ کھولا۔

وہ کتاب جتنی قدیم تھی اتنی ہی خوبصورت بھی تھی۔اس کے صفحات کاغذ یا کپڑے کے نہیں بلکہ طلائی تھے۔سونے کے پتلے پتلے ورق جن پہ الفاظ نقش کر کے لکھے گئے تھے۔وہ ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹتا گیا اور کتاب کھلتی چلی گئی۔

وہ ابواب کے نام پڑھ رہا تھا۔یہ بنگارایا ملایو ہی تھی۔اتنی دفعہ اسے پڑھ چکا تھا کہ ساری داستان اسے ازبر تھی۔اس میں البتہ آخری چند ابواب نہیں تھے۔

تالیہ اسے ایک پڑھی ہوئی کتاب کو دوبارہ کیوں پڑھوانا چاہتی تھی؟اور اسے کیسے معلوم تھا کہ اس مجسمے کے اندر بنگارایا ملایو کا پہلا نسخہ دفن تھا؟کیا اس نسخے میں کچھ ایسا تھا جو بعد میں لکھی اور چھپی جانے والی بنگارایا ملایو میں موجود نہیں تھا؟

وان فاتح تعجب سے ان صفحات کو پلٹتا جا رہا تھا۔

وہ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ یہ بنگارایا ملایو کا وہ نسخہ تھا جو ایڈم بن محمد نے لکھا تھا۔شہزادی تاشہ کی تبدیلیوں کے بغیر۔

یہ بنگارایا ملایو کا اصل نسخہ تھا اور اس میں قدیم ملاکہ کے غلاموں کا ہیرو وانگ لی نہیں تھا۔

یہ تاشہ اور فاتح کی سچی داستان تھی۔

☆☆==========☆☆

اشعر محمود کے قلعے کے سبزہ زار میں اس وقت ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی۔قلعہ اس پھوار میں بھیگتا دکھائی دے رہا تھا اور لان میں ہرن خوشی سے قلانچیں بھرتے پھر رہے تھے۔لان کے وسط میں لکڑی کے زینوں کے اوپر ایک کینوپی بنی تھی جس کی مخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپک رہا تھا۔اس میں لکڑی کے بنچ بنے تھے اور وہ دونوں بہن بھائی آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"کاکا....تم پریشان لگ رہی ہو؟" اشعر نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔اشعر آفس کے لیے تیار لگتا تھا۔سوٹ ٹائی سے لے کر بوٹس تک ہر شے مکمل تھی۔البتہ اس کے برعکس عصرہ سادہ کرتے پاجامے میں ملبوس' کندھوں کے گرد شال لپیٹے' اداسی سے دور بھاگتے ہرنوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں فاتح کے لیے پریشان ہوں۔"

"وہ تو چھٹی پہ ملاکہ گئے ہوئے تھے۔ اکیلے ہی گئے ہیں نا؟" اشعر کا ماتھا ٹھنکا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" عصرہ نے نظریں موڑ کے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ "مجھے اس کی صحت کی طرف سے پریشانی ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ وہ کمزور ہوتا جا رہا ہے؟"

اشعر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ "نہیں تو۔ شاید ڈائٹ وغیرہ پہ ہوں۔"

"مجھے لگتا ہے کوئی اس کو بیمار کر رہا ہے۔ سلو پوائزن شاید۔ مجھے نہیں معلوم مگر مجھے یہی خوف کھائے جا رہا ہے۔"

"واٹ؟" اشعر بھونچکا رہ گیا۔ مگ میز پہ رکھا اور آگے کو ہو کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ "کا کا....ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟"

"مجھے عجیب عجیب سے وہم آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔" وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ بارش میں ایک دم تیزی آگئی تو کھیلتے کودتے ہرن چونک کے اپنی جگہ پہ رک گئے۔

"وہ بی این کے صدر ہیں۔ ظاہر ہے ان کو بہت سے لوگ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں ان کی سیکیورٹی بہتر کرنی چاہیے۔ صوفیہ رحمٰن کے لوگ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔"

بجلی چمکی تو ہرنوں نے گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا اور یکا یک وہ چاروں طرف پناہ کے لیے بھاگے۔

"فاتح کو باہر والوں سے نہیں، اپنوں سے خطرہ ہے اشعر۔" وہ تلخی سے بولی۔ "اس کو مار کے کسی کو کیا ملے گا؟ سوچو۔ دولت جائیداد تو اس کے پاس ہے نہیں۔"

"بی این کی صدارت کی کرسی۔" اشعر نے چونک کے اسے دیکھا۔ "تمہارے خیال میں ان کو مار کے کوئی ان کی جگہ لینے کی کوشش کر سکتا ہے؟"

"مجھے ایک ہی شخص پہ شک ہے جو اس وقت پارٹی میں سب سے زیادہ طاقتور ہو چکا ہے۔" وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔ "اور وہ ہے ہشام جرجیس۔ پتہ ہے کل میری سرِ راہ اس سے ملاقات ہوئی تو وہ جس طرح آئندہ الیکشنز اور نائب چیئرمین کے خالی عہدے کی بات کر رہا تھا، مجھے لگا اس کی کسی پلاننگ میں فاتح شامل نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں فاتح سے اس کی سفارش کروں اور اس کو نائب بنا دیا جائے۔" وہ پریشان لگ رہی تھی۔

"نائب چیئرمین؟ وہ نائب بن کے پارٹی پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے؟" اشعر بالکل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔ "وہ ایسا ہی آدمی ہے۔ وہ واقعی یہ کر سکتا ہے۔ مجھے کیوں اس بات کا خیال نہیں آیا۔"

"اب آ گیا ہے تو اس کا سدِباب کرو۔ میرے نزدیک اس کا ایک حل ہے۔" وہ سمجھانے والے سادہ انداز میں کہہ رہی

تھی۔ "ہشام کا راستہ روکنے کے لیے ہمیں کسی اور کو نائب چیئر مین بنانا ہوگا۔"

اشعر نے ٹھٹک کے اسے دیکھا۔ "آبنگ یہ عہدہ بھرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟"

"وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ تم بتاؤ تم تیار ہو؟ تم سے زیادہ کوئی شخص اس بات کا اہل نہیں ہے کہ فاتح اس کو اپنا نائب کہے۔"

اشعر کے تاثرات بدلے۔ وہ اس پیشکش پہ ایک دم ششدر رہ گیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کیا..... آبنگ مجھے...؟؟"

"وہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ تم لابنگ شروع کرو۔ اپنی تیاری پوری رکھو۔"

"لوگ باتیں کریں گے۔ میں ان کا رشتے دار ہوں نا۔ میڈیا سر کھا لے گا۔ یہ غیر جمہوری ہوگا۔"

"ہرگز نہیں۔ بہت سے جمہوری ممالک میں یہ ہوتا ہے۔ اور فاتح کی جان کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں یہ کرنا پڑے گا' ایش۔" وہ تشویش سے کہہ رہی تھی۔ اور اشعر سر ہلا رہا تھا۔

لان میں اب بارش تیزی سے برس رہی تھی۔ ایک ہرن درخت تلے کھڑا تھا جبکہ باقی کہیں کونوں کھدروں میں جا چھپے تھے۔

☆☆=========☆☆

پانچویں رات:۔

ملاکہ کے بازار میں اس رات ریستورانوں اور دوکانوں پہ معمول کی خرید و فروخت جاری تھی۔ لوگ سڑک سے گزرتے اشیاء خریدتے' کھاتے پیتے' خوش گپیاں کرتے جا رہے تھے۔ بازار کی روشنیاں اندھیرے میں بھی دن کا سماں کیے ہوئے تھیں۔ ایسے میں ایک قہوہ خانے کے اندر شیشے کی دیوار کے ساتھ فاتح بیٹھا تھا۔

ہلکی بڑھی شیو اور ماتھے پہ بکھرے بال لیے وہ جھک کے نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھتا جا رہا تھا۔ دائیں ہاتھ چائے کا آدھا خالی مگ رکھا تھا۔ دوسری جانب سنہری اوراق والی قدیم کتاب رکھی تھی جس کے اندر رکھا بک مارک یہ بتا رہا تھا کہ اس کے قاری نے پہلے چند ابواب پڑھ لیے تھے۔

اس کے آس پاس لوگ میزوں پہ بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بڑھی شیو اور رخ موڑے رکھنے کے باعث کوئی اس کو پہچان نہیں سکا تھا۔

فاتح کے کندھے کے اوپر سے جھانکو تو نوٹ پیڈ پہ لکھا خط واضح دکھائی دیتا تھا۔

''ڈیئر تالیہ......

میں نے آج پھر دولت کو فون کیا تھا۔ ہر روز کی طرح اس نے آج بھی یقین دہانی کروائی کہ تم ٹھیک ہو۔ اور جلد گھر واپس آجاؤ گی۔ تمہاری نیک نامی برقرار ہے' اس لیے ہم میں سے کوئی اس مسئلے کو کسی سطح پہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں پہلی دفعہ صوفیہ رحمٰن پہ تمہاری خاطر یقین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا قول نبھائے گی اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کر دے گی۔

میں تمہارے دوسرے دوستوں کے متعلق تو نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں مگر میں اپنی تلاش کے سفر پہ نکل چکا ہوں۔ مجھے ملاکہ کے ایک چائے خانے میں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے چیئرمین کی کرسی سنبھالنے کے بعد میں عوام کے درمیان جا کے نہیں بیٹھا تھا۔ میں دن رات اگلے الیکشن کی جوڑ توڑ میں لگا تھا۔ مجھے ہشام جیسے لوگوں کو بھی ساتھ ملانا پڑا کیونکہ مجھے لگا تھا انہوں نے مجھے جتوانا ہے۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ووٹ اس عوام نے دینا ہے۔ مجھے ان کا دل جیتنا چاہیے تھا۔ اور یہ لوگ مجھ سے امید ہار رہے ہیں۔ میں جتنا ان کے اردگرد بیٹھے خاموشی سے ان کی باتیں سنتا ہوں' اتنا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ اسی فاتح کے بارے میں بات کر رہے ہیں جس کو وہ اتنے سال سر آنکھوں پہ بٹھاتے آئے ہیں؟ یہ مجھ سے اتنے مایوس کیوں ہیں؟ یا کیا میں نے مصلحت پسندی کے ہاتھوں خود کو اپنے مقصد سے دور کر دیا ہے۔ میں یہ سب انہی لوگوں کے لیے ہی تو کر رہا تھا تالیہ۔ مگر یہ لوگ مجھے اور صوفیہ رحمٰن کو ایک ہی کیٹگری میں شمار کرنے لگے ہیں۔

میں نے آج بنگارا یا ملایو کا قدیم نسخہ پڑھنا شروع کیا ہے۔ میں نہیں جانتا تم اس کی موجودگی سے کیسے واقف تھیں مگر اب میں نے تمہاری باتوں پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ اس نسخے اور جدید نسخے میں مجھے ایک واضح فرق نظر آیا ہے۔ اس میں شہزادی تاشہ کی تعریفیں اتنی نہیں ہیں جتنی عام نسخے میں ملتی ہیں۔

اگر یہ بنگارا یا ملایو کا اصل نسخہ ہے تو شاید شہزادی تاشہ بھی کاملیت کی وہ دیوی نہیں تھی جیسا اس کے پرستار اس کو سمجھتے تھے۔ وہ انسان تھی۔ کوئی بھی کامل نہیں ہوتا یہاں۔ شاید وان فاتح کے پرستاروں کو بھی اب یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔

میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ ہوتیں اور ہم اس کتاب کو ایک ساتھ پڑھ سکتے۔

فاتح۔''

☆☆=========☆☆

پانچواں دن:۔

ایڈم بن محمد کے گھر کا چھوٹا باغیچہ رات بھر ہونے والی بارش کے بعد ابھی تک پانی سے بوجھل کھڑا تھا۔ دھوپ بالکل نہیں نکلی تھی آج اور مرغی گھاس سے کیڑے چگتی اداس دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چوزے اب بڑے ہو چکے تھے اور ان کی گنجی گردنیں اونچی نکلنے لگی تھیں۔ جسم بھی آدھی مرغی کے برابر ہو چکے تھے۔ وہ گھاس پہ لاپرواہی سے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ مستقبل سے بے نیاز۔ ہر شے سے بے خبر۔

ایڈم کے کمرے میں کاغذات ہر طرف بکھرے تھے۔ وہ خود ٹراؤزر شرٹ میں کرسی پہ بیٹھا مسلسل کمپیوٹر اسکرین پہ لگا تھا۔ بار بار کاغذات پرنٹ کر کے مختلف اطراف میں رکھتا' کبھی پین سے کچھ لکھتا گویا وہ پوری طرح سے منہمک تھا۔

پرنٹر نے زوں زوں کی آواز سے مزید کاغذ نکالے تو ایڈم نے ان کو اٹھایا اور صفحات پلٹ کے دیکھنے لگا۔ وہ تھکا ہوا مگر پرجوش لگتا تھا۔ اس نے کاغذات کا پلندہ کی بورڈ کے اوپر ہی رکھ دیا اور ہائی لائیٹر سے ہر صفحے پہ چند الفاظ کو نمایاں کرنے لگا۔

نام۔ یہ نام..... یہ اتنے سارے نام اسے اس کو وسل بلور نے بہت آسانی سے دے دیے تھے۔ نہ صرف نام بلکہ اوریجنل فائلز' سٹیٹیکٹس' وکالت نامے' کانٹریکٹس کی کاپیز اور ایسی ای میلوجن کے ہیڈرز بھی موجود تھے۔

وہ اتنا خوش تھا کہ بیان نہیں کرسکتا تھا۔

چوتھا صفحہ اس نے پلٹا اور پانچویں صفحے پہ آ گیا۔ اوپر سے نیچے نگاہ دوڑائی۔

اور پھر اس لمحے..... ایڈم بن محمد کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی اتری..... اس نے بار بار اس صفحے کو پڑھا..... پھر اسکرین کو دیکھا اور جلدی سے وہی فائلز باری باری کھولیں۔ کوئی غلطی نہیں تھی۔ کوئی شک نہیں تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہی لکھا تھا وہاں۔

کھلا ہوا ہائی لائیٹر اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ ایڈم کو نہیں یاد کہ کبھی شاک کی کسی کیفیت میں اس کے ہاتھوں سے چیزیں گری ہوں۔ فوج سے نکالے جانے کا پروانہ پڑھتے ہوئے شاید ایسا ہوا تھا۔ اس کے بعد نہیں۔ اسے کم از کم یاد نہیں تھا۔

وہ بے دم سا ہو کے اس کاغذ کو دیکھے جا رہا تھا۔

باہر دیوار کی منڈیر پہ دونوں اطراف دو موٹے تازے بلے گھات لگائے کھڑے تھے۔ ان کی چمکتی آنکھیں ان نوعمر چوزوں پہ جمی تھیں۔

بے فکر چوزے سارے میں اچھلتے پھر رہے تھے۔ یہ ان کی جوانی کے دن تھے۔ آنکھوں میں خواب سجائے' وہ بارش سے نم

ہوئے گھاس پہ ہنستے ہوئے کھیل رہے تھے۔

انہیں خبر نہیں ہوئی کہ کب دونوں اطراف سے سیاہ ہیولے ان کے اوپر حملہ آور ہوئے تھے۔

انہوں نے زور زور سے دہائی دی۔

مرغی اپنی جگہ سے اٹھ کے چلانے لگی۔

ایڈم کو شور سنائی دے رہا تھا مگر وہ اتنا ششدر بیٹھا تھا کہ اس پہ اثر نہیں ہوا۔ ایبو ابھی نہانے گھسی تھی۔ ساتھ میں اس نے ہاتھ کے ہاتھ اپنے کپڑے بھی دھو لیے تھے اور پانی کی آواز نے بے زبان پرندوں کی چیخوں کا راستہ روک دیا تھا۔

وہ جب تولیے میں سر لپیٹے باہر برآمدے میں آئی تو مرغی بلک بلک کے روئے جا رہی تھی۔ ہر طرف چوزوں کے پر بکھرے تھے۔ کہیں خون تھا اور کہیں کٹے ہوئے پنجے۔

ایک چوزہ بھی نہ بچا تھا۔ مرغی ایک ایک کونے میں جا کے روتے ہوئے چونچ مارتی۔ پھر سر گرتی۔

ایبو کے ہاتھ سے تولیہ نیچے گر گیا۔

باہر سڑک کنارے ایک بلا چوزے کے کٹے سر کو دانتوں سے ادھیڑتا دکھائی دے رہا تھا جبکہ دوسرا اتنا کھا چکا تھا کہ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ دوسری گلی تک بمشکل پہنچ پایا۔ پھر ایک درخت کی ڈھنڈی میٹھی چھایا میں پیر پسار کے لیٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ساتھ ہی وہ زبان لبوں پہ پھیرتا خون صاف کر رہا تھا۔

☆☆==========☆☆

چھٹی رات:۔

ملاکہ کا سمندر اس رات ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہہ رہا تھا۔ چاند کی روشنی سے نہایا ساحل اندھیرے میں بھی روشن دکھتا تھا۔ لہریں ساحل تک آتیں اور اسے بھگو کے واپس پلٹ جاتیں۔

ساحل کے اس حصے میں رش نہیں تھا۔ اکا دکا لوگ پتھروں پہ ٹہل رہے تھے۔ وہیں ایک بڑے پتھر کے کنارے بیٹھا فاتح گھٹنوں پہ نوٹ پیڈ رکھے لکھتا جا رہا تھا۔ چاندنی اس کے صفحے پہ پڑتی اس کو چمکا رہی تھی۔

"ڈیئر تالیہ......

میں بنگارایا ملایو قریباً آدھی پڑھ چکا ہوں اور یہ وہ کتاب نہیں ہے جو مجھے کورس میں پڑھائی گئی تھی۔ اس کتاب میں ایک سحر انگیز عورت تھی جو سب کرنا جانتی تھی۔ وہ عورت یہاں بھی ہے...... شہزادی تاشہ...... مگر ہر شے جاننے کے

باوجود وہ کمزور بھی پڑ جاتی ہے اور اپنے باپ سے خوفزدہ بھی رہتی ہے۔ وہ وانگ لی کے غلام فاتح کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے کوشش کر رہی ہے مگر اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پا رہیں۔ وہ اپنے اندر کے شیاطین سے لڑ رہی ہے اور دربار میں اس کو عورت ہونے کے باعث کمتر سمجھا جاتا ہے۔ وہ سلطان مرسل کی ہر اس منت سے پریشان بھی ہے۔

میں اس عورت سے پہلی دفعہ واقف ہوا ہوں۔ جس بنگارا یا ملایو کو دوسروں نے پڑھا ہے وہ شہزادی تاشہ پسونا اور اس کی عظیم فتوحات کی کہانی تھی۔ یہ بنگارا یا ملایو تاشہ اور اس کے محبوب غلام فاتح کی کہانی ہے۔ مجھے اپنے نام کے کردار کو پڑھ کے اچھا لگا ہے۔ شاید اسی لیے تم مجھے یہ داستان پڑھوانا چاہتی تھیں۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے میں خود کو اسی قدیم زمانے میں محسوس کرتا ہوں اور یہ بھول جاتا ہوں کہ میں جدید ملاکہ میں چند دن کی چھٹی پہ آیا ہوں۔ اپنا فون آف کر کے سارے زمانے کے کام پس پشت ڈال کے میں وان فاتح کو ڈھونڈنے آیا تھا اور ابھی تک میں صرف غلام فاتح کو دریافت کر سکا ہوں۔"

اس کی جیب میں رکھا فون تھرتھرانے لگا تو اس نے گہری سانس لے کر خط مکمل کیا اور اسے تہہ کر کے دوسری جیب میں ڈالا۔ پھر فون نکال کے دیکھا۔

یہ ایک چھوٹا فون تھا جس میں اس کا ایک دوسرا نمبر تھا جو صرف عصرہ اور بچوں کے پاس تھا۔ یہ اسمارٹ فون نہیں تھا کیونکہ وہ کچھ دن کے لیے سوشل میڈیا سے دور رہنا چاہتا تھا۔

"کہو عصرہ۔" اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے تکان سے پوچھا۔

"فاتح..... تم پلیز واپس آجاؤ۔"

"کیا میرے بغیر پارٹی چند دن کے لیے نہیں چل سکتی عصرہ؟" وہ اکتا گیا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے فاتح۔ کہ پارٹی والے اب تمہارے بغیر چلنے کا سوچ رہے ہیں۔"

فاتح ایک دم تیزی سے سیدھا ہوا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

☆☆==========☆☆

چھٹا دن:۔

اس بلند و بالا عمارت کے دو فلورز بی این کے لیے مختص تھے۔ بالائی فلور ایگزیکٹو فلور تھا جبکہ اس سے نچلی منزل میں پریس روم بنا تھا جہاں صحافیوں کو آنے کی اجازت تھی۔ اس وقت وہ کمرہ کارکنوں اور صحافیوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب خالی پوڈیم کو

دیکھتے ہوئے آپس میں چہ مگوئیاں کررہے تھے۔

"سنا ہے فاتح صاحب کل رات اپنی چھٹی منسوخ کر کے واپس آ گئے ہیں۔"

"جب کرسی ہاتھ سے جا رہی ہو تو انسان اگلے جہان سے بھی لوٹ آتا ہے۔" سر جوڑے دو رپورٹرز کہہ رہے تھے۔

"چار دن میں پارٹی میں دو مضبوط لابیز بن چکی ہیں۔ گاڈ۔ صرف چار دن میں۔" ایک خاتون رپورٹر ماتھے کو چھو کے کہہ رہی تھی۔ "فاتح صاحب کے جانے کی دیر تھی' ہشام جبر جیس بھی پارٹی پہ قبضہ کرنے کو تیار ہے اور اشعر محمود تو خاندان ہونے کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ ہم عورتیں تو ایسے ہی بدنام ہیں۔ یہ مرد سیاستدان کسی سے کم ہیں کیا۔"

"دیکھتے ہیں اب فاتح صاحب کس طرف جھکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں پارٹی میں دراڑ پڑ جائے گی۔"

"ہاں تو دراڑ ہشام جبر جیس اور اشعر محمود نے ہی ڈالی ہے نا۔ انہوں نے اپنے اپنے چہیتے رپورٹرز کے ذریعے میڈیا پہ یہ خبر اڑائی کہ اگلا نائب چیئرمین ان کو بنایا جا رہا ہے۔ اسی طرح تو lobbying کی جاتی ہے۔ عوام اور چیئرمین کے ذہن میں بات ڈال کے خود تماشا دیکھا جاتا ہے۔" ایک عمر رسیدہ اینکر پرسن وہاں بیٹھا تبصرہ کر رہا تھا۔ ابھی اس کی بات درمیان میں تھی جب پوڈیم کے پاس ہلچل مچی اور سب سیدھے ہونے لگے۔

کیمرہ مین تیار ہوئے۔ رپورٹرز نے ریکارڈرز اور قلم تھام لیے اور فلیش جلنے بجھنے لگے۔

فاتح رامزل سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

گرے سوٹ میں ملبوس' اسٹرائپس والی ٹائی پہنے' جیل سے بال پیچھے کو جمائے' اس کی رنگت قدرے ٹین لگتی تھی البتہ تاثرات سنجیدہ تھے۔ وہ واضح طور پہ ناخوش دکھائی دیتا تھا مگر ساتھ ہی جیسے مطمئن بھی تھا۔

پوڈیم پہ جا کے وہ رکا۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اس نے سنجیدگی سے سب کو سلام کیا اور ان کے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے دائیں ہاتھ عصرہ اور چند پارٹی عہدیدار کھڑے تھے۔ اشعر یا ہشام کہیں نہیں تھے۔

"میری رنگت سے آپ کو معلوم ہو رہا ہوگا کہ میں چند دن کے لیے چھٹی پہ گیا تھا مگر میرے پیچھے میڈیا میں اتنی قیاس آرائیاں کی گئیں کہ مجھے فوری واپس آنا پڑا۔"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ہال کو دیکھتا مائیک میں کہہ رہا تھا۔ کیمروں سے کلک کلک کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔

"ملاکہ میرے لیے ایک ہوم ٹاؤن کی حیثیت رکھتا ہے۔ میری بیٹی آریانا اپنی موت سے پہلے میرے ساتھ آخری دفعہ جس جگہ گئی تھی وہ ملاکہ ہی تھا۔ ملاکہ جا کے میں ہر دفعہ اپنی بیٹی کو مس کرتا ہوں۔ اس دفعہ البتہ مجھے اس کی موت یاد آئی تو ایک خیال شدت سے ستانے لگا کہ اگر اسی طرح وان فاتح مر گیا تو کیا ہوگا۔"

رپورٹرز نے قلم روک دیے۔ کیمرہ مین کیمروں کے عقب سے گردنیں نکال کے صدمے سے اسے دیکھنے لگے۔ ہال پہ ایک ششدر سی خاموشی چھا گئی۔ اسٹیج پہ موجود لوگوں میں کھڑی عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کیمرہ مین ان آنکھوں کا عکس محفوظ کرنے لگے۔

"ملاکہ میں یہ اتنے دن میں نے اپنے لوگوں کے درمیان ایک عام آدمی کی حیثیت سے گزارے اور ایک بات میں نے سمجھ لی کہ کوئی بھی انسان ناگزیر نہیں ہوتا۔ جیسے تاریخ کے بڑے بڑے مجسمے ایک ٹھوکر سے گر جایا کرتے ہیں اسی طرح کبھی وان فاتح بھی ایک ٹھوکر سے مر سکتا ہے۔ تو پھر میں اپنے پیچھے کیا چھوڑ کے جا رہا ہوں؟ میری legacy کیا ہو گی؟"

اس کی بھاری آواز سارے میں گونج رہی تھی۔ غور سے دیکھو تو آنکھوں کی سنجیدگی اور سرخی بتاتی تھی کہ وہ غالباً رات بھر سویا نہیں تھا اور اسی چیز پہ کام کرتا رہا تھا۔

"کچھ شرارتی لوگوں نے پارٹی میں دراڑ ڈالنے کے لیے دو لابیز بنا دی ہیں جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ پارٹی کو تقسیم کر کے توڑا جائے۔ اگر میں ملاکہ نہ جاتا تو میں کبھی شاید نائب چیئرمین کا عہدہ برسوں بعد پھر سے بھرنے کا نہ سوچتا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ بی این میں ایک عرصے سے اس عہدے کو بھرنے کا رواج ختم ہو چکا ہے۔ چیئرمین اپنے نیچے والوں سے اتنا ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اس عہدے کو خالی رکھتا ہے۔ اور الیکشن کے پراسیس میں اس عہدے کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ مگر وان فاتح مرنے سے یا نکالے جانے سے نہیں ڈرتا۔ مجھے اپنے ملک کے لوگوں کے لیے کام کرنا ہے اور مجھے اس میں ایک ایسے نائب چیئرمین کا ساتھ چاہیے جس کی دیانتداری سے میں واقف ہوں' اور جس کا انتخاب پارٹی کو تقسیم نہ کرے۔"

وہ رکا اور پھر مسکرا کے بولا۔ "اور جو مجھے قتل کرنے کی ہمت نہ کرے۔"

ہال میں سب ایک دم ہنس دیے۔ ماحول کا تناؤ رفع ہونے لگا۔ فاتح توقف کے بعد مائیک میں کہنے لگا۔

"اس عہدے پہ قانوناً میں کسی کو بھی تعینات کر سکتا ہوں۔ میرے کسی بھی صورت میں اپنی کرسی چھوڑنے پہ اگلے تین ماہ کے لیے نائب چیئرمین کو میرا عہدہ مل جائے گا اور ان کو پارٹی الیکشن کروا کے اگلے چیئرمین کا چناؤ کروانا ہو گا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور ایک رپورٹر نے دوسرے کے کان میں سرگوشی کی۔ "ایک دفعہ وان فاتح نے کسی کو نائب بنا دیا تو اس نے آتے ساتھ ہی ایگزیکٹو حکم سے پارٹی الیکشن کو غیر ضروری قرار دے دینا ہے۔ یوں وہی نائب بڑی آسانی سے اگلے سال ملک کا وزیراعظم بن سکتا ہے۔"

"ششش۔" پیچھے سے کسی نے اسے چپ کروایا۔

"میں چیئرمین کی حیثیت سے اس عہدے کے لیے....." فاتح نے رک کے حاضرین کا چہرہ دیکھا۔ "..... بی این کی ایک

پرانی پارٹی ورکر جو گزشتہ دس سال سے پارٹی سے منسلک ہیں اور..... اپنی بیوی..... عصرہ محمود کو نامزد کرتا ہوں۔"

عصرہ نے نم آنکھوں سے مسکرا سینے پہ ہاتھ رکھے سر کو خم دیا۔ چند لمحے کے لیے تمام لوگ ششدر رہ گئے پھر ایک دم تالیوں کا شور گونجا اور مبارک سلامت کے نعرے بلند ہوئے۔ عصرہ چند قدم آگے بڑھی۔ اب وہ اپنے شوہر کے بالکل برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ فلیش لائیٹس کی روشنیاں ان دونوں کے چہروں پہ پڑ رہی تھیں۔ دی پاور کپل۔

فاتح نے مسکرا کے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور پھر مائیک پہ چہرہ جھکایا۔

"اس سے پہلے کہ کوئی اس کو اقربا پروری کہے' میں یہ واضح کر دوں کہ اگر مجھے رشتے داروں کو نوازنا ہوتا تو اشعر محمود کو نوازتا لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جس سے پارٹی تقسیم ہو۔ جو اس فیصلے پہ تنقید کرنا چاہیں میں ان سے پوچھوں گا کہ جب صوفیہ رحمٰن کو ان کے والد نے اپنا نائب مقرر کیا تھا تو کیا تب بھی ایسی ہی تنقید کی گئی تھی؟ جیسے دنیا بھر میں بیویاں اپنے شوہروں کی سیاست اور کیمپین میں ان کی مدد کرتی ہیں اسی طرح عصرہ میری مدد کریں گی۔ جیکی کینیڈی ہو یا وکٹوریا اور البرٹ کی کہانی' کسی بیوی کا اپنے شوہر کے ساتھ کام کرنا برا نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ البتہ عصرہ اس عہدے کی نہ تنخواہ لیں گی اور نہ ہی دوسری مراعات۔ یہ بھی نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ میں پارٹی کو اپنے خاندان کی جاگیر بنا رہا ہوں کیونکہ میرا یہ عہدہ چھوڑنے کی صورت میں عصرہ صرف تین ماہ کے لیے چیئر مین ہوں گی اور پھر جمہوری طریقے سے الیکشن کے ذریعے اگلا چیئر مین چنا جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لیے واضح کر رہا ہوں جن کو میرے مرنے کی بہت جلدی ہے۔"

مسکرا کے بولا تو جہاں چند لوگ ہنسے وہاں بہت سوں نے دہل کے اسے لمبی عمر کی دعائیں دے ڈالیں۔

ملک بھر کی ٹی وی اسکرینز پہ وہ منظر دکھایا جا رہا تھا۔ وہ دونوں میاں بیوی ساتھ ساتھ کھڑے تھے اور مسکرا کے لوگوں کی مبارکباد وصول کر رہے تھے۔

ہشام جبرجیس اپنی کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا سیل فون پہ وہ ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

اس سے چند میل دور اپنے قلعے کے لاؤنج میں تنہا بیٹھا اشعر سگریٹ پھونکتے ہوئے پلازمہ اسکرین پہ نظر آتی لائیو پریس کانفرنس دیکھ رہا تھا۔ اڑتالیس گھنٹے کے لیے انہوں نے میڈیا اور سوشل میڈیا پہ جو افواہیں چلائی تھیں ان کے نتیجے میں فاتح رات واپس آ گیا تھا۔ صبح تک عصرہ اس کو اپنے انداز میں سمجھاتی رہی تھی اور مرد چاہے غلام ہو چاہے بادشاہ' وہ اپنی بیوی کی اپنی ہمدردی میں کہی بات کو ہمیشہ غور سے سنتا ہے۔

عصرہ نے ایک حل پیش کیا اور فاتح نے اسے مان لیا۔ ساری دنیا میں اگر کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا تو وہ اس کے بچوں کی ماں تھی۔

ہشام اور اشعر کو صبح ہی صبح وان فاتح کی طرف سے ایک پیغام بھی بھیج دیا گیا تھا۔

"دوبارہ مجھے تم میری پارٹی، میرے گھر یا میرے اردگرد نظر نہ آؤ۔"

وہ فاتح کا اعتبار کھو چکے تھے اور اب وہ کبھی عصرہ کے مقابلے میں ان کی بات کا اعتبار نہیں کرے گا۔

☆☆=========☆☆

داتن نے یہ پریس کانفرنس ایک ریستوران میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھی تھی۔ آج کل وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ رہ رہی تھی اور جو بھی تھا، وہ پر سکون لگتی تھی۔ تالیہ کی طرف سے یہ تسلی دل کو تھی کہ وہ واپس آجائے گی۔ البتہ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کو اتنا مس کرے گی۔ مگر اسی طرح شاید اسے ایک صاف ستھری زندگی مل جائے۔

اسکرین پہ عصرہ کی فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کے وہ طنز سے مسکرائی تھی۔

"واہ..... وان فاتح..... اپنی کرسی سونپی بھی تو کس عورت کو؟ اپنی بیٹی کی قاتل کو۔ جو اسے قتل کر سکتی ہے وہ تمہیں بھی کر سکتی ہے مگر یہ سیاستدان اور ان کی یادداشت...... بہت جلد سب بھول جاتے تھے۔"

عصرہ کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ عصرہ نے کوئی ایسی حرکت کی ہی نہیں تھی جو قابلِ گرفت ہو۔ تالیہ کی غیر موجودگی نے داتن کی عصرہ پہ رہنے والی نگرانی کو بھی ختم کر دیا تھا۔

تبھی انکھیوں سے اسے کوئی بہت تیزی سے ریستوران میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔

وہ ایڈم تھا اور نڈھال سا لگتا تھا۔ تیزی سے سامنے کرسی کھینچی اور کاغذات کا ایک پلندہ سامنے رکھا۔

"آرام سے..... آرام سے..... تم تو واقعی دس منٹ میں پہنچ گئے ہو۔" داتن نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر اس کے حلیے کو۔ "اور صبح منہ نہیں دھویا تھا کیا؟ اب سلیبریٹی جرنلسٹ بن گئے ہو تو اصلیت ضرور دکھانی ہے لوگوں کو۔ صبح تمہاری ابو کا فون آیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں کہ سارے چوزے بلی کھا گئی۔ اب چوزوں کے مرنے پہ بھی کوئی روتا ہے بھلا؟"

پھر یاد آیا۔

"اوہ..... تم تالیہ کی وجہ سے پریشان ہو۔" اس نے آواز دھیمی کی۔ "فکر نہ کرو۔ وہ واپس آجائے گی۔ صوفیہ رحمن اسے نقصان پہنچا کے کبھی فاتح رامزل کی سنگین دشمنی مول نہیں لے گی۔ اور تم نے دیکھا..... وہ عصرہ نائب چیئرمین بن گئی۔"

داتن نے محظوظ انداز میں اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "اب تیار رہو۔ بیوی کو یہ عہدہ دینے پہ وان فاتح اور ان کے مضافات میں میڈیا کی گالیوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔"

"کون تالیہ؟ کون عصرہ؟ میری یہاں دنیا برباد ہو گئی ہے اور آپ کو ان ساری باتوں کی پڑی ہے۔" وہ جیسے فرسٹریشن سے

پھٹ پڑا تھا۔

لیانہ چونکی اور سیدھی ہوئی۔ پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ صدیوں کا بیمار لگتا تھا۔

"ایڈم۔ کیا ہوا ہے؟" پھر اس کے کاغذات کو دیکھا۔ "تم کہیں تیسری کتاب تو نہیں لکھنے جا رہے؟"

"انسان کو بڑے بول نہیں بولنے چاہیے ہیں داتن۔ اللہ تعالیٰ کا حق ہے صرف بڑے بول بولنا۔ ہم مستقبل کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے۔" وہ واقعی روہانسا ہوا کہہ رہا تھا۔ اب کے داتن کو تشویش ہوئی۔

"کس نے کر دیا دعویٰ؟"

"تین لوگوں نے تین دعوے کیے تھے۔ یاد ہے وہ میوزیم جہاں چے تالیہ نے صوفیہ رحمن اور وان فاتح کی ڈی بیٹ کروائی تھی؟ وہاں صوفیہ رحمن نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔ کیونکہ جائیداد چھپانا جرم ہے۔" وہ تیز تیز بولے جا رہا تھا۔ اتنا تیز کہ اسے سانس چڑھنے لگا۔ داتن بمشکل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دوسرا دعویٰ ایڈم بن محمد نے کیا تھا۔" اس نے گویا اپنے ہی سر پہ ہاتھ مارا۔ "بانگ و دہل اپنی بک لانچ پہ بکواس کی تھی میں نے کہ کسی آف شور کمپنی ہولڈر کا نام نہیں چھپاؤں گا۔ ایک ایک نام پوری دیانت داری سے عوام کے سامنے لاؤں گا۔ میں پھنس گیا ہوں داتن۔ ہم سب اپنے ہی الفاظ کے طوق میں اپنی گردنیں پھنسا بیٹھے ہیں۔"

"ایڈم..... ایڈم..... تم بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔"

"تیسرا دعویٰ..... میوزیم میں اسی ڈی بیٹ میں وان فاتح نے کیا تھا کہ ان کی کوئی چھپی ہوئی جائیداد نہیں ہے۔" اس نے ایک کاغذ نکالا اور پٹخنے کے انداز میں داتن کے سامنے رکھا۔

"یہ رہے آریانہ رامزل ہولڈنگ کے کاغذات۔ وان فاتح کی آف شور کمپنی جو کلائیڈ اینڈ لی میں انہوں نے کافی عرصے سے بنا رکھی ہے۔ یہ کمپنی ان کے دستخط' ان کے پاسپورٹ کی کاپی اور ان کی اپنی مرضی سے بنی ہے۔ دیکھیں یہ سب۔"

داتن کا منہ مارے صدمے کے کھل گیا۔

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ مجھے..... مجھے اس آدمی سے لاکھ اختلافات سہی' لیکن وہ ایماندار آدمی ہے۔ وہ کبھی بھی جائیداد یوں چھپا کے ٹیکس چوری نہیں کر سکتا۔" وہ بے یقینی سے ان کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔ دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

ایڈم کو نہیں یاد اس کی آنکھوں میں فوج سے بے عزت کر کے نکالے جانے کے بعد آنسو کب آئے تھے۔

آج برسوں بعد آئے تھے۔

"داتن۔" اس نے گیلی آنکھوں سے اپنی دوست کو دیکھا۔ "اگر میں نے یہ کاغذات پبلک کر دیے تو سب جان جائیں

گے کہ فاتح صاحب اور صوفیہ رحمٰن کا جرم ایک جیسا ہے۔ وہی جرم جس پہ وہ صوفیہ سے استعفیٰ مانگ رہے تھے۔ ان کی ساری زندگی' ان کا کیریئر' ان کے خواب سب ختم ہو جائے گا۔ داتن اگر میں نے ان کا نام وورِی لگارہ ملایو کے دوسرے حصے میں لکھ دیا تو......"ایک آنسو شاہی مورخ کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھک گیا۔"....تو وان فاتح کبھی ملائیشیا کے وزیر اعظم نہیں بن سکیں گے۔ داتن.....مجھے بتائیں میں کیا کروں؟"

وہ کسی ٹوٹے بکھرے بچے کی طرح بے آواز روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

اور اس لمحے شل بیٹھی داتن کو احساس ہوا تھا کہ ابو کی مرغی کے دل پہ اپنا آشیانہ لٹتے دیکھ کے کیا گزری ہو گی۔

☆☆=========☆☆

ساتویں رات:۔

حالم کا بنگلہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج کے پردے برابر تھے اور اندر صرف کچن کی بتی جل رہی تھی۔ چائے کی مہک نے سارے کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ کچن کاؤنٹر کے اسٹول پہ بیٹھا' نوٹ پیڈ پہ پانچواں خط لکھتا جا رہا تھا۔ کوٹ پیچھے صوفے پہ پڑا تھا اور شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے۔

کے ایل آنے کے بعد وہ اس گھر کی زیارت کے لیے نہ آتا یہ ممکن نہیں تھا۔

"ڈیئر تالیہ......

میں اس امید کے ساتھ واپس آیا تھا کہ تم یہاں ملو گی۔ مگر تم ابھی تک نہیں آئی ہو۔ تمہارے پیچھے ملائیشیا میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔ خود وان فاتح تبدیل ہو چکا ہے۔ میں نے میڈیا اور ناقدین کی تنقید کی پرواہ کیے بغیر ایک بڑا فیصلہ لیا اور میں خود بھی اتنا خوش نہیں تھا مگر خلافِ توقع لوگوں نے اسے سراہا ہے۔ اس وقت کوئی یہ بات نہیں کر رہا کہ یہ عہدہ میں نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ فاتح نے پارٹی کو تقسیم ہونے سے بچایا ہے۔ مگر سچ پوچھو تو اگر لوگ تنقید کرتے تب بھی میں پرواہ نہ کرتا۔

میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میری جتنی زندگی باقی ہے' اس کو میں اپنے لوگوں کو نفع پہنچانے میں صرف کروں۔ ہر شے سمندر کی جھاگ کی طرح ہے۔ سب بہہ جائے گا۔ باقی صرف ایک شے رہ جاتی ہے۔ وہ جو لوگوں کو فائدہ دے۔ میں مستقبل کے خوف سے آزاد ہو کے جینا چاہتا ہوں۔ وان فاتح کا نام بھی تاریخ میں تب ہی باقی رہے گا جب وہ لوگوں کو نفع دے گا۔ ورنہ جھوٹی تعریفوں سے بھری کتابیں اگر چھ صدیوں تک پڑھائی بھی جائیں' تب بھی سچ کے آتے ہی وہ پسِ پشت چلی جاتی

ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اس اصلی بنگارا یا ملایو کو لوگوں کے سامنے لاؤں۔ گو کہ اس میں آخری ابواب شامل نہیں ہیں مگر غلام فاتح کی کہانی وانگ لی کے کارناموں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ جس بت کا میں اتنے عرصے سے فین تھا وہ تو مٹی کا ایک ڈھیر نکلا۔ تم آ جاؤ تو ہم اس کتاب کو آکشن کر دیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم تمہارے کام آئے گی۔ یہ کتاب تمہاری ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے ملی ہے۔ میں اسے تمہیں لوٹانا چاہتا ہوں۔ البتہ ابھی میں نے اسے مکمل نہیں کیا۔

پانچ دن پہلے اسی جگہ بیٹھے جب میں نے تمہیں خط لکھا تھا تو میں تم سے خفا تھا کیونکہ تم نے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں پراسیکیوٹر کو الٹی سیدھی باتیں کہی تھیں۔ لیکن ان پانچ دنوں نے میرے ذہن سے وہ باتیں نکال دی ہیں۔ مجھے ابھی تک تمہاری باتوں کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی لیکن اب میں نے تالیہ اور تالیہ کے پلانز پہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔

میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔

آزاد فاتح!"

☆☆==========☆☆

پانچواں خط بھی مکمل ہو چکا تھا اور وہ کتنی ہی دیر اسے پڑھتی رہی تھی۔ آنسوؤں نے ان خطوط کو بھی بھگو دیا تھا۔ وہ روتی گئی اور پڑھتی گئی۔ پھر ان کو ترتیب سے سیٹ کیا اور ٹوکری میں واپس رکھ دیا۔ گھڑی دیکھی تو خیال آیا اسے وقت کی بند اہارا کے سامنے کرسی پہ بیٹھ کے مذاکرات کے لیے جانا تھا۔ وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے کسی کو کال نہیں کرنی تھی۔ اسے کسی سے بات نہیں کرنی تھی۔ اسے آزادی چاہیے تھی۔ اپنی آزادی کے لیے اسے اکیلے ہی لڑنا تھا۔ وہ جانتی تھی۔

ریسٹ ہاؤس کے لان میں دو کرسیاں رکھی گئی تھیں اور اردگرد سیکیورٹی افسران کھڑے تھے۔ تالیہ مراد ایک کرسی پہ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کے نیل اب کنسیلر کی تہوں میں چھپے تھے۔ سفید براق اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' وہ سیاہ بالوں پہ ترچھا سفید ہیٹ پہنے بیٹھی بور سی ہو کے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

سامنے والی کرسی خالی تھی۔ قریب کھڑا دولت بار بار گھڑی دیکھ کے ادب سے کہتا تھا۔

"بس پندرہ منٹ اور.....دس منٹ اور....." اور پھر جب دس منٹ ختم ہوئے تو نشیب سے آتی سڑک پہ سیاہ شیشوں والی کارز آتی دکھائی دیں۔ گارڈز میں ہلچل مچ گئی۔ وہ البتہ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

پہلی کار سے اترنے والی خوبصورت عورت گلابی لمبی اسکرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس پہ اس نے گلابی اسٹول سر

پہ لے رکھا تھا اور گردن میں پہنے موتی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ مسکرا کے سب کے سلام کا جواب دیتی کرسیوں کے قریب آئی تو تالیہ مراد اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یانگ دی برحرمت۔" (عزت مآب) اس نے خشک لہجے میں سر کو خم دے کر کہا۔ نظریں پردھان منتری کے سرخ و سفید چہرے پہ جمی تھیں جو میک اپ سے مزین بے حد کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے کون دومن سے مصافحہ کیا اور کرسی پہ بیٹھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں' یانگ دی برحرمت؟ کیونکہ اب تو میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"کال می صوفیہ۔" وہ خوشگوار انداز میں بولی۔ "اور تمہاری جان میرے قلم کی محتاج تب ہوگی جب تم ڈیل پہ سائن کرو گی۔ اس سے پہلے تک تم آزاد ہو۔"

تالیہ کرسی پہ آگے ہو کے بیٹھی اور چبھتی نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔

"کیا میرے پاس کوئی چوائس ہے؟ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو آپ لوگ میرے خلاف مقدمے چلائیں گے۔"

صوفیہ رحمٰن ٹیک لگا کے بیٹھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جما رکھی تھی۔ اس سوال پہ اس نے ہیرے کی انگوٹھی سے مزین ہاتھ جھلایا اور اگلے ہی پل تمام سیکیورٹی گارڈز دور ہٹتے گئے۔ صرف دولت تھا جو پردھان منتری کی کرسی کے پیچھے کھڑا رہ گیا۔

"کیا تمہیں اپنے باپ سے محبت تھی تالیہ؟" صوفیہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھنے لگی۔

تالیہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ حلق میں کچھ اٹکا۔

"بہت زیادہ۔"

"لیکن تمہارا باپ ملک کا پردھان منتری نہیں تھا۔ میرا باپ تھا۔ وہ میرا ہیرو تھا۔ وہ ملائیشیا کے کروڑوں ووٹرز کا ہیرو ہے۔ میں آج اپنے باپ کے لیے اپنے دشمن کے سامنے بیٹھی ہوں۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو کہ صوفیہ کو اپنے مرے ہوئے باپ سے کتنی محبت تھی؟"

تالیہ نے ہیٹ اتارا اور میز پہ رکھ دیا۔ بولی کچھ نہیں۔

"جانتی ہو پردھان منتری کی بیٹی کتنی مجبور ہوتی ہے؟"

تالیہ نے محض نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ (وہ سمجھ سکتی تھی۔)

"اتنی مجبور کہ اس کے پاس اپنے دشمن کو ختم کرنے کا اتنا اچھا موقع تھا..... (ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا)..... جتنا میرا کلاس فیلو تمہارے لیے فکر مند رہا ہے' اگر میں تمہیں جیل میں مروا دیتی یا کورٹ میں تمہاری تذلیل کرواتی تو وہ ٹوٹ ہی

جاتا۔ کتنا آسان ہو جاتا میرے لیے اگلا الیکشن جیتنا۔ میں فاتح کی زندگی کی سب سے قیمتی چیز لے سکتی تھی مگر.....آہ.....میری اپنے باپ سے محبت آڑے آ گئی۔"

تالیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا مگر وہ خشک آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"تمہارے اور تمہارے لیڈر کے نزدیک میں ایک چور عورت ہوں مگر چوروں کو بھی اپنے باپ پیارے ہوتے ہیں' تالیہ۔اسی لیے میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔کیا تم میرے باپ کے لیے ایک کام کر سکتی ہو؟"

تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔"جی۔ میں کروں گی۔لیکن کیا مجھے اپنی پچھلی زندگی کے اعمال کے لیے امیونٹی (سزا سے معافی) مل جائے گی؟"

"بالکل۔میں لکھ کے دینے کو تیار ہوں۔اس حکم نامے کو اگلا وزیراعظم بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔اور آج تمہاری جاب شروع ہونے کے وقت سے.....تم ہر جائز اور نا جائز کام کرنے کے لیے آزاد ہو۔یہ جاب مکمل ہونے تک تم بڑے سے بڑا جرم بھی کر لو' تو تمہیں ملائیشیا میں کوئی چھو بھی نہیں سکتا اور باہر تمہیں ڈپلومیٹ کا اسٹیٹس ملے گا۔"

"باہر؟" وہ چونکی۔"مجھے باہر جانا ہو گا؟"

صوفیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔"ہاں۔اسی ملک جہاں وہ موجود ہے۔"

تالیہ نے لان کی گھاس پہ کھڑے دولت کو ایک نظر دیکھا جو سنجیدہ سا کھڑا تھا۔اور پھر الجھ کے صوفیہ کو مخاطب کیا۔

"مگر میں ہی کیوں؟ آپ کے پاس تو اتنے بہترین لوگ ہیں۔انہوں نے اتنے دن تک مجھے Con کیے رکھا۔"

"مگر تم نے آخر میں ان کا con پکڑ لیا۔ ہے نا؟ میرے بابا کہتے تھے' بہترین کون گیم وہ ہوتی ہے جس میں ٹارگٹ کو کبھی معلوم نہ ہو سکے کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو تمہاری طرح کا ذہن رکھتا ہو۔یہ لوگ اس کام کو نوکری کی مجبوری میں کریں گے۔تم اپنی آزادی کے لیے اپنی جان لگا کے کرو گی۔اور میں یہ کام ان کو کیسے دوں جب کہ ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ کام کرنا کیسے ہے۔خود مجھے بھی نہیں۔" وہ اداسی سے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

تالیہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"کام کیا ہے؟"

"تم نے ایک دوسرے ملک سے میرے لیے ایک چیز چرا کے لانی ہے۔"

"کیا؟"

صوفیہ رحمٰن کے اگلے الفاظ سمجھنے اور ہضم کرنے میں اسے چند منٹ لگے تھے۔وہ بار بار دولت اور صوفیہ کا چہرہ دیکھتی تھی۔

پردھان منتری خاموش ہوئی تو تالیہ نے تھوک نگلی۔

"ٹھیک ہے۔ میں کر دوں گی۔ لیکن اگر میں وہاں جا کے بھی ناکام لوٹی تو؟"

"تمہارے پاس یہ آپشن نہیں ہے تالیہ۔" صوفیہ کے نرم لہجے میں تنبیہہ تھی۔ تالیہ نے سر کو خم دیا۔

"لیکن آپ کو کیسے یقین ہے کہ میں وہاں جا کے کبھی واپس لوٹوں گی بھی سہی؟ ہوسکتا ہے میں بھاگ جاؤں۔"

"تم کبھی نہیں بھاگو گی کیونکہ وان فاتح یہاں ہے۔" وہ مسکرائی تو اسے یان سوفیا یاد آئی تھی۔ "اور تم ایک خاندانی لڑکی ہو۔ میرے ساتھ کیا عہد نہیں توڑو گی۔"

"میں ایک کون وومن ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا عہد توڑا تو پھر میں آپ سب کی جان لے لوں گی' یاد رکھیے گا۔" وہ باری باری دونوں کو دیکھ کے بولی تھی۔

دولت نے ڈیل سامنے رکھی اور قلم اسے دے دیا۔ دونوں عورتوں نے دستخط کر دیے تو تالیہ نے چہرہ اٹھایا۔

"میں نے حشان سے ایک وعدہ کیا تھا۔ کیا آپ اسے بلا سکتے ہیں؟" اس کے انداز میں طنز تھا۔ دولت نے صوفیہ کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چند لمحوں بعد حشان دولت کے برابر میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس سمن پہ شدید ناخوش لگتا تھا۔

"چے تالیہ... میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ وہ سب ایک اسکرپٹ کا حصہ تھا اور..." تالیہ کو خود کو گھورتے دیکھا تو چپ ہو گیا۔

اس نے اپنا پرس اٹھایا اور قدم قدم چلتی حشان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ پھر سلگتی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تالیہ مراد کچھ نہیں بھولتی۔" یہ کہہ کے وہ پلٹ گئی۔ حشان نے حیرت سے اسے دیکھا جو مڑنے کے بعد رک گئی تھی۔ پھر ایک دم وہ واپس گھومی اور پوری قوت سے زوردار مکا برابر میں کھڑے دولت امان کے منہ پہ دے مارا۔

وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کی انگوٹھی دولت کی ناک پہ کسی خنجر کی طرح لگی تھی۔ وہ کراہ کے رکوع کے بل جھکا اور منہ پہ ہاتھ رکھا۔ ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

تالیہ مراد نے اپنی انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ سے صاف کیا اور پہلے ہکا بکا سے حشان کو دیکھا اور پھر پرسکون سی بیٹھی صوفیہ کو۔ دور کھڑے گارڈز اس طرف بھاگ کے آنے لگے مگر صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کے انہیں رک جانے کا حکم دیا۔

"چے تالیہ کو immunity حاصل ہے۔ وہ کسی کو بھی مارنے کے لیے آزاد ہیں۔"

سپاہی فاصلے پہ رک گئے۔ دولت سر جھکائے اپنے بھل بھل خون گراتے ناک کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے تھا۔ تالیہ نے مسکرا

کے اسے دیکھا اور جھک کے ایک کارڈ اس کے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

"یہ سنگاپور کا بہترین پلاسٹک سرجن ہے۔ بالخصوص ناک ٹھیک کرنے میں ماہر ہے۔"

وہ تکلیف سے جھکا ہوا تھا۔ چہرہ اٹھا بھی نہ سکا اور وہ ہیٹ سر پہ جماتی ڈرائیو وے کی طرف بڑھ گئی۔

شام میں شان اس کے گھر آیا اور اس کو ضروری کاغذات، حکومتی معاہدے کی نقل اور اس کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ دے گیا۔ ساتھ میں ایک بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات بھی تھیں اور چند کریڈٹ کارڈز۔ وہ جتنے پیسے چاہے خرچ کر سکتی تھی۔ وہ اس ایک شے کو چھپانے کے لیے جو چاہے کر سکتی تھی۔

جو اسے کرنا آتا تھا، وہ بالآخر اس کی جان بچانے جا رہا تھا۔

وہ اوپر اپنے بیڈروم میں تھی جب گیٹ پہ کار رکنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ باہر داتن آئی کھڑی تھی۔ اور ساتھ میں ایڈم بھی تھا۔ وہ دونوں چیک کرنے آئے تھے کہ تالیہ واپس آئی ہے یا نہیں لیکن اس نے نہ اپنی کار استعمال کی تھی نہ کسی اور شے کو چھیڑا تھا۔ گھر اسی طرح لاک تھا اور چابی فاتح کے پاس تھی۔ داتن چاہتی تو گھر کھول لیتی لیکن شاید اسے لگا تھا کہ وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔ اس لیے کچھ دیر بعد وہ دونوں مایوس سے واپس چل دیے۔ وہ چپ چاپ انہیں کھڑکی کی درز سے دیکھتی رہی۔ اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔

رات اس نے حالم کے بنگلے کی کوئی بتی نہیں جلائی۔ گھر اسی طرح اندھیرے میں ڈوبا رہا۔ گیارہ بجے کے قریب اسے کار کی آواز آئی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ اس شخص کی کار تھی جو اپنے مگ کاؤنٹر پہ چھوڑ جانے کا عادی تھا۔

وہ اندھیرے میں لاؤنج کے اوپری زینوں پہ آ کے چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ کچھ دیر بعد لاک کھلنے کی آواز آئی اور پھر بھاری بوٹ اندر داخل ہوئے۔ وہ اندھیرے میں بھی اسے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ویسا ہی تھا یا شاید بدل گیا تھا۔ وہ گھٹنوں پہ تھوڑی جمائے اسے دیکھے گئی۔

وہ کچن کاؤنٹر تک آیا اور چھوٹا بلب جلا دیا۔ اب صرف کچن میں روشنی تھی۔ سیڑھیاں ہنوز تاریک تھیں۔

اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور پھر اسی اسٹول پہ بیٹھ کے چائے پینے لگا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا مگر اسی لمحے اس کا فون بجنے لگا۔ فاتح نے فون اٹھا کے کان سے لگایا۔

"کون آیا ہے؟ اچھا وہ لوگ۔ ٹھیک ہے میں گھر آتا ہوں۔" انداز سے لگتا تھا گھر کوئی رشتے دار آئے ہیں۔ اس نے نوٹ پیڈ پہ قلم اسی طرح رکھ چھوڑا اور کوٹ اٹھا کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ چپ چاپ اپنی جگہ پہ بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اندھیرا لاؤنج میں چلتا وہ آدمی آج بتی بجھائے بغیر عجلت میں جا رہا تھا۔ دروازہ لاک کرنا بھی وہ بھول گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ

وہ اسے روک لے... نہ معلوم وہ دوبارہ کب ملیں... لیکن نہیں... اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ نہ فاتح سے، نہ ہی کسی اور سے۔ وہ پتھر کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی اور وہ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ اوپر آئی اور اپنا سفری بیگ پیک کرنے لگی۔ اسے کل یہاں سے روانہ ہونا تھا۔

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ نیچے لاؤنج کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ تالیہ دھک سے رہ گئی۔ وہ کچن کی بتی بجھانے آیا تھا کیا؟

ایک دم وہ ننگے پیر باہر بھاگی اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ پھر وسط میں رکی۔

لاؤنج کی بتی کسی نے جلادی تھی۔ نووارد چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اس شخص کا چہرہ دیکھ کے تالیہ مراد کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ دھیرے دھیرے زینے اترنے لگی۔

"اب مجھے کس مقدمے میں پھنسانے آئے ہیں آپ پراسیکیوٹر صاحب؟" تلخی سے کہتی وہ نیچے آئی۔

احمد نظام افسردہ سے وہاں کھڑے تھے۔ "مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ رہا ہو گئی ہیں۔ اس لیے میں آپ سے ملنے آیا تھا۔"

تالیہ لاؤنج کے وسط میں آرکی اور بازو سینے پہ لپیٹے تندہی سے انہیں دیکھا۔ "جی میں رہا ہو چکی ہوں۔ اور کچھ؟"

وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ "چے تالیہ میں شرمندہ ہوں۔ میں نے اپنی انا کے ہاتھوں آپ کی جائز بات نہیں سنی۔ آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ یہ ایک سیاسی کیس تھا اور میں نے خود کو انہیں استعمال کرنے دیا۔ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔"

ان کے الفاظ کچھ اس انداز میں ادا ہوئے تھے کہ وہ چند لمحے کچھ کہہ نہ سکی۔

"میں نے وہ انگوٹھی نہیں چرائی تھی۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے وقت کی سفر کی داستان سچ تھی یا مذاق لیکن یہ ایک سیاسی انتقام کا کیس ہے اور مجھے اس کا حصہ بننے پہ شرمندگی ہے۔"

"اور کچھ؟"

ادھیڑ عمر پراسیکیوٹر بے بسی بھرے تاسف سے اسے دیکھتے رہے۔ "کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں؟"

"پلیز آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ آپ پہلے ہی میرے ساتھ بہت مہربانی کر چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔ لیکن یاد رکھیے گا۔ آپ کو صوفیہ رحمن نے اگر کوئی ڈیل کر کے چھوڑا ہے تو اس پہ بھروسہ مت کیجیے گا۔ حکمران کبھی بھی اپنے وعدے پورے نہیں کرتے۔ وہ آپ کو کبھی معافی نامہ نہیں دلا کے دیں گے۔" یہ کہہ کے وہ مڑے تو وہ آہستہ سے بولی۔

''یہ میرا آخری آپشن ہے' احمد نظام صاحب۔ میرے پاس اس ملک میں عزت سے رہنے کے لیے اور کوئی آپشن نہیں ہے۔''

انہوں نے پلٹ کے دکھ سے اسے دیکھا۔ ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو ڈپلومیٹک پاسپورٹ مل گیا ہے یعنی کسی کام سے پردھان منتری آپ کو باہر کے ملک بھیج رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسا ملک ہے۔ ایک نصیحت کروں؟ آپ کسی دوست کو اپنے ساتھ لے جائیں۔''

''مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی جب انسان کو اپنی تلاش کے سفر پہ نکلنا پڑے تو اسے تنہا ہی جانا چاہیے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ لاؤنج میں اس ایک بات نے ڈھیروں اداسیاں گھول دیں۔

''میں نے آپ کو آپ کے دوستوں سے دور کیا ہے۔ شاید آپ اس سفر کے ذریعے یہ فیصلہ کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کو زندگی میں کیا کرنا ہے۔ اچھی بات ہے لیکن مجھے میرے کیے کا مداوا کرنے دیجیے۔''

''میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بے زار ہوئی۔ وہ چلے کیوں نہیں جاتے تھے یہاں سے؟

''میرے جیسے آدمی کے ضمیر کا بوجھ اتنی آسانی سے نہیں ہلکا ہوتا' چے تالیہ۔ اس لیے....'' وہ کھنکھارے اور احتیاط سے بولے۔ ''جہاں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔''

''اوہ پلیز... مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اکتا گئی تھی۔

''آپ پہلے کبھی اس ملک گئی ہیں؟ وہاں کے راستے معلوم ہیں آپ کو؟''

وہ لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی۔ پھر مشتبہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں ایک ایسے انسان کی مدد کیوں لوں جس نے مجھے گرفتار کروایا تھا؟''

''جیسے آپ نے ان کے ساتھ ڈیل سائن کی ہے جنہوں نے ایک ہفتہ آپ کو قید میں رکھا تھا۔ آپ سیاسی ورکر رہی ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ کرائسز میں دشمنوں سے ہاتھ ملانا پڑتا ہے۔''

وہ لب بھینچے انہیں دیکھے گئی۔ وہ چند لمحے انتظار کرتے رہے پھر اس کا سپاٹ چہرہ دیکھ کے جانے کے لیے مڑے۔

''آپ کا دوست.... کیا کرتا ہے وہ؟'' سرسری سا پوچھا تو احمد نظام خوشی سے واپس آئے اور اس کے عین سامنے آکے رکے۔

''وہ سب کر سکتا ہے۔ آپ کی طرح چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔ مختلف شناختیں رکھتا ہے۔ مختلف چہرے بدلتا ہے۔ ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔ اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔''

''نہیں میرا مطلب تھا...وہاں اس کا کام..جاب کیا ہے؟'' وہ ذرا اکتا کے بولی۔ ایسے لگ رہا تھا احمد نظام کسی کو اس کے سر پہ مسلط کر رہے ہیں۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔''

''تو وہ رہتا کس علاقے میں ہے؟''

''اس کا مجھے علم نہیں۔ میں خود وہاں کبھی نہیں گیا۔''

تالیہ نے تعجب سے انہیں دیکھا۔ پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ صوفے پہ بیٹھے۔ وہ خود مقابل صوفے پہ بیٹھی اور اچنبھے سے پوچھنے لگی۔ ''آپ مجھے اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر وغیرہ دے دیں۔ یا ای میل' فیس بک.....''

''وہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ انٹرنیٹ پہ ایک میسج بورڈ ہے۔ ضرورت ہو تو وہاں اس کو پیغام بھیج دیتا ہوں۔ آپ کا بھی وہیں بتایا تھا۔''

''تو اس نے کیا کہا؟''

''اس نے جواب نہیں دیا مگر وہ پڑھ چکا ہوگا۔''

''یہ کیسا دوست ہے آپ کا جس کا کوئی اتہ پتہ آپ کو معلوم نہیں ہے۔ میں اسے کیسے ڈھونڈوں گی؟'' وہ واقعتاً پریشان ہوئی۔ وہ اس ملک میں کبھی نہیں گئی تھی اور صوفیہ نے سوائے ڈپلومیٹک پاسپورٹ کے کوئی مددگار فراہم نہیں کیا تھا۔

''ارے آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔ اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولے۔ تالیہ نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''اسے معلوم ہے میں کس فلائیٹ سے آ رہی ہوں؟''

''وہ معلوم کر لے گا۔ اس کو سب کرنا آتا ہے۔ آپ بس اس سے مدد ضرور لیجیے گا۔''

''آپ کو یقین ہے آپ کا دوست اتنا اہل ہے جتنا آپ اسے سمجھتے ہیں؟'' اسے احمد نظام کی دماغی حالت پہ شک ہوا تھا۔

''اسے سب کرنا آتا ہے' چے تالیہ۔ وہ مجھے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔ بس...'' انہوں نے جیسے الفاظ ڈھونڈے۔ ''وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔ تھوڑا روڈ...'' توقف سے تصحیح کی... ''کافی روڈ' اکھڑ اور مغرور واقع ہوا

ہے۔ مگر اچھا آدمی ہے۔"

"بدتمیز انسان اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں اس سے مدد مانگ لوں گی ورنہ میرا نہیں خیال کہ اس کی نوبت آئے گی۔ راستے معلوم کرنے کے لیے جی پی ایس ہے میرے پاس۔" وہ قدرے رکھائی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا اشارہ تھا۔ اب اس آدمی کو وہ چائے تو نہیں پوچھ سکتی تھی۔

"اور ہاں.... اس کی کوئی تصویر وغیرہ ہے تو دکھا دیں تا کہ میں اسے پہچان لوں۔ ویسے بھی آپ حکومت والوں کا کیا بھروسہ کس کو کیا بنا کے پیش کر دیں۔"

"تصویر نہیں ہے میرے پاس۔ لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر بولے تھے۔

"اچھا۔ تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے 'بدتمیز' اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟"

☆☆==========☆☆

(جس ملک میں آپ کو جانا ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔)

ائیر پورٹ پہ مختلف طرح کے لوگوں کا رش لگا تھا۔ اجنبی ملک' اجنبی فضائیں۔ وہ سر پہ ہیٹ پہنے' آنکھوں پہ سیاہ چشمہ چڑھائے' سیاہ اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ میں ملبوس' اپنا ٹرالی بیگ کھینچتی آگے بڑھ رہی تھی۔ نگاہیں ادھر ادھر کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

(وہ آپ کی مدد کرے گا۔ میں نے اسے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔)

اجنبی چہرے ہر طرف بکھرے تھے۔ اسے نہیں معلوم تھا اسے لینے کون آئے گا۔ وہ تو اس گمنام شخص کی شکل سے بھی واقف نہ تھی۔ اسے احمد نظام سے مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

اس نے گلاسز گریبان پہ اٹکائیں اور کوفت سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں لوگ اپنے رشتے داروں کو لینے آئے کھڑے تھے۔ کسی پلے کارڈ' کسی سائن بورڈ پہ تالیہ مراد کا نام نہیں لکھا تھا۔

(میرا دوست سب کر سکتا ہے۔ کسی حد تک وہ آپ کی طرح کا ہے۔)

قریباً ایک گھنٹہ ائیر پورٹ پہ فارغ بیٹھنے کے بعد وہ اکتا کے اٹھی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اسے کسی دوسرے سے امید رکھنے کی بجائے اپنی ٹیکسی خود ڈھونڈ کے ہوٹل پہنچنا چاہیے تھا جہاں کی بکنگ وہ کروا چکی تھی۔

(آپ کی طرح وہ چیزیں چرا بھی سکتا ہے' اور لوگوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔)

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پہ وہ بیٹھی اور ہیٹ اتار کے ساتھ والی نشست پہ رکھا۔ پھر مطلوبہ ہوٹل کا نام بتا کے خود کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ رات باہر پھیلی تھی اور شہر کی ساری بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ وہاں بہتے ٹریفک کو دیکھتی رہی۔ اسے صوفیہ کا کام کیسے کرنا تھا؟ اس کے پاس کوئی پلان نہیں تھا۔

(وہ مختلف شناختیں رکھتا ہے۔ مختلف چہرے بدلتا ہے۔ ماشاءاللہ بروقت کور اسٹوریز گھڑنے میں بھی ماہر ہے۔)

ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکی تو تالیہ نے اپنا ہیٹ اٹھایا۔ اور پھر.... وہ ٹھٹک کے رکی۔

اس کی ہیٹ کی نیچے ایک سفید نوٹ رکھا تھا۔ کیا یہ پہلے بھی وہاں تھا؟ اس نے شاید غور سے دیکھا نہیں تھا۔ نوٹ اٹھا کے تعجب سے اس نے اس پہ لکھے الفاظ پڑھے۔ تین الفاظ میں اسے اس شہر میں ویلکم کہا گیا تھا اور ساتھ میں ایک لمبا سا نمبر درج تھا۔

"سنو... یہ نوٹ تم نے رکھا ہے؟" اس نے چونک کے بوڑھے ڈرائیور سے پوچھا جو حیرت سے پلٹا۔ "کون سا نوٹ؟"

(اسے ہر کام آتا ہے اور وہ اس شہر میں ہر ایک کو جانتا ہے۔)

ٹیکسی سے نکل کے تالیہ نے چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی تھا جو اس کو دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے کیسے اندازہ ہوا کہ وہ اسی ٹیکسی میں بیٹھے گی؟

(مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رہتا ہے یا وہ کیا کرتا ہے۔ مگر وہ سب کرنا جانتا ہے۔)

وہ ہوٹل کی لابی میں آگے بڑھتے ہوئے بار بار اس نمبر کو پڑھ رہی تھی۔ اپنے روم میں آتے ہی اس نے اس ملک کی سم والا فون نکالا اور وہ نمبر ڈائل کیا۔ رانگ نمبر۔ فون سروس نے مطلع کیا کہ یہ نمبر وجود ہی نہیں رکھتا۔ اس نے نمبر کو الٹا ڈائل کیا۔ پھر بھی رانگ نمبر۔ شاید یہ کوئی فون نمبر نہیں تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی غور سے اس چٹ کو دیکھنے لگی۔

(آپ نے اسے نہیں ڈھونڈنا۔ وہ آپ کو خود ڈھونڈ لے گا۔)

اگلی صبح تالیہ اپنے ہوٹل کے باہر پیدل چلتی جا رہی تھی۔ بالوں کو پونی میں باندھے' اس نے ٹراؤزر پہ پھولدار فراک پہن رکھا تھا اور اسکول گرلز کی طرح دونوں کندھوں پہ بیگ پہن رکھا تھا۔ ایک ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی اور دوسرے میں موبائل۔ وہ اسکرین کو دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ نمبر دراصل جی پی ایس لوکیشن تھی۔ اور وہ اس کے بک کروائے ہوٹل کے قریب ہی تھی۔

(اگر کوئی لڑکی کسی غیر ملک میں اس کی تلاش میں آئے تو وہ خود اسے پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔)

جوگرز سے تیز تیز چلتی وہ سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ بالآخر اس کی مطلوبہ لوکیشن آ گئی تو اس نے گردن اٹھائی۔ سامنے

ایک فون بوتھ تھا۔ دھوپ سے تالیہ کا چہرہ تمتمار ہا تھا اور پیشانی پہ بل تھے۔ وہ اس بوتھ تک آئی ہی تھی کہ اندر رکھا فون بجنے لگا۔ اس نے ریسیور کان سے لگایا اور قدرے غصے سے بولی۔ "ہیلو؟"

"تالیہ مراد؟" جواب میں ایک بھاری مردانہ آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جی مسٹر۔ میں تالیہ مراد ہوں۔ آپ کو میری مدد کرنی تھی مگر آپ تو سامنے آہی نہیں رہے۔"

(وہ آپ کی طرح خوش اخلاق نہیں ہے۔ تھوڑا رُوڈ۔ کافی رُوڈ، اکھڑ اور مغرور واقع ہوا ہے۔ مگر آدمی اچھا ہے۔)

"میں دیکھ رہا تھا کہ کوئی تمہیں فالو تو نہیں کر رہا۔ تمہاری وجہ سے میں خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" خشک لہجہ۔ روکھا انداز۔ ایک تو پہلے یہاں گرمی تھی۔ سر پہ آگ برساتا سورج تھا اور اوپر سے یہ آدمی۔ اسے احمد نظام کی مدد لینی ہی نہیں چاہیے تھی۔

(آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر ہے تو دکھا دیں۔ تاکہ میں اس کو پہچان لوں۔ اس نے پرائیویٹ سے جاتے سے پوچھا تھا۔)

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟" وہ ضبط سے بولی۔

"آگے پیچھے دیکھنے کی عادت ڈالو" اور کال کٹ گئی۔ اس نے گھور کے ریسیور کو دیکھا اور پھر رکھا ہی تھا کہ وہاں لگی ایک چٹ نظروں سے ٹکرائی۔ اس پہ ایک لمبا سا نمبر لکھا تھا۔ ایک اور لوکیشن۔ اف۔

(تصویر تو نہیں ہے میرے پاس لیکن میں آپ کو اس کا نام بتا سکتا ہوں۔)

کندھوں پہ بیگ پہنے، پانی کی بوتل اٹھائے وہ اب اندرون شہر کی گلیوں میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پسینہ بار بار پیشانی پہ پھوٹتا جسے وہ ٹشو سے صاف کر لیتی۔ وہاں بہت سی دکانیں تھیں اور زیادہ تر گاڑیوں کی ورکشاپس تھیں۔ اس کی لوکیشن نے اسے جس دوکان کے سامنے لا کھڑا کیا، وہ بھی ایک ورکشاپ تھی۔

(اچھا۔ تو کیا ہے آپ کے ہر کام کر لینے والے بدتمیز، اکھڑ اور مغرور دوست کا نام؟)

اندر کھڑی جیپ کے بیچے ادھڑے کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ جیپ کا بونٹ کھلا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا آدمی یہاں سے نظر نہیں آتا تھا۔ جیپ کے دونوں اطراف اتنا تنگ راستہ اور سامان رکھا تھا کہ وہ بمشکل ڈرائیونگ ڈور تک پہنچی اور رک گئی۔ پھر گردن اونچی کر کے بونٹ کے پیچھے کام کرتے آدمی کو دیکھنا چاہا۔

اس نے جینز پہ گرے شرٹ پہن رکھی تھی، آستینیں موڑ کے کہنیوں تک چڑھائے ہوئے تھے اور پی کیپ والا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مسلسل ہتھوڑے نما چیز کو جھک کے کسی شے پہ مار رہا تھا۔ ٹھک ٹھک کی آتی آواز ناقابل برداشت تھی۔

(اس کا نام جہان سکندر ہے۔ اور وہ کچھ عرصے سے مصر میں رہائش پذیر ہے۔ آپ قاہرہ جا رہی ہیں اور قاہرہ کو وہ بہت اچھے سے جانتا ہے۔ آپ کو قاہرہ میں اس سے بہتر ساتھی نہیں ملے گا۔)

اس نے گردن اٹھا کے آواز دی۔ ''ہیلو؟''

ٹھک ٹھک کی آواز رک گئی۔ البتہ بونٹ کے پیچھے کھڑا شخص جھک کے تاریں جوڑتا رہا۔

''میں تالیہ ہوں۔'' اس نے با آواز بلند پکارا۔ آگے پیچھے کی دکانوں کا شور، دور سڑک سے گزرتا بے ہنگم ٹریفک... غرض آواز سننا بے حد دشوار تھا۔

''آپ کو احمد نظام نے بتایا تھا میرے بارے میں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔ اگر اب اس شخص نے جواب نہیں دیا تو وہ پلٹ جائے گی۔

''ہاں۔ تم وہ ہو جس نے بے وقوفوں کی طرح اپنی وزیر اعظم پہ بھروسہ کر کے ڈیل سائن کی ہے جو کبھی پوری نہیں ہو گی۔ میری مانو اور یہاں سے کسی اور ملک بھاگ جاؤ۔'' وہ آدمی اب بھی جھکا تاریں جوڑنے میں لگا تھا۔ اس کا انداز سرد اور سپاٹ تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''یہ میرا اور میری وزیر اعظم کا مسئلہ ہے۔ میں اسے خود ہینڈل کر لوں گی۔ آپ میری مدد کریں گے یا نہیں؟ احمد نظام نے کہا تھا کہ آپ کو سب کرنا آتا ہے۔''

''پتہ نہیں اس نے تمہیں کیا کہانیاں سنائی ہیں۔ میں قاہرہ کا ایک غریب مکینک ہوں اور کچھ نہیں۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے اس کھلے بونٹ کو دیکھتی رہی۔ پھر پیر پٹخ کے مڑ گئی۔

''لیکن میں یہ سننا چاہوں گا کہ وزیر اعظم نے تمہیں کس کام سے یہاں بھیجا ہے؟''

وہ جو واپس جانے لگی تھی' اس بات پہ ٹھہری اور پلٹی۔ وہ آدمی اب بھی بونٹ کے پیچھے جھکا ہوا تھا اور دکھائی نہ دیتا تھا۔

''آپ نے میری مدد کرنی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرنی تھی تو میری ٹیکسی میں وہ ''ویلکم ٹو قاہرہ'' کا نوٹ رکھوانے کی یا مجھے فالو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کام کیا ہے؟'' دوسری طرف کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ یا شاید اس آدمی نے پہلے سے ہی اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور گردن کڑا کے بولی۔

''مجھے صوفیہ رحمٰن کے لیے ایک چیز چوری کرنی ہے۔''

''کیا؟'' وہ اب پانی انجن کے اندر انڈیل رہا تھا۔ سڑ سڑ کی آواز آنے لگی۔

"ایک کتاب۔"

"انٹرسٹنگ۔ مگر کہاں ہے یہ کتاب؟ قیمتی ہوگی یقیناً۔ کسی میوزیم لائبریری یا کسی کی پرائیوٹ کلیکشن میں ہے؟" انجن سے دھواں نکلنے لگا تو وہ پیچھے ہوا۔ دھویں کے باعث تالیہ اور اس کے درمیان دھندلی سی دیوار آ گئی تھی۔

"وہ کتاب کہیں بھی نہیں ہے۔ وہ تو ابھی تک چھپی ہی نہیں ہے۔"

وہ چونکا اور سر اٹھایا۔ "تو پھر وہ ہم نے کہاں سے چرانی ہے؟"

اس کے "ہم" کہنے پہ تالیہ مسکرائی۔ اتنے دن میں پہلی دفعہ وہ مسکرائی تھی۔

"ہم نے اسے اس کی رائیٹر کے ذہن سے چرانا ہے۔"

"واٹ؟" جہان نے زوردار آواز کے ساتھ بونٹ بند کیا۔

دھوئیں کی دیوار درمیان سے چھٹنے لگی۔

اور تب تالیہ نے پہلی دفعہ اس کا چہرہ دیکھا۔

(حالم کی اگلی قسط "حالم" اور "جنت کے پتے" کا cross-over ہوگی۔ اس کراس اوور قسط کا نام "چور اور جاسوس" ہے اور آپ اسے اکتوبر کے آخری ہفتے میں پڑھ سکیں گے۔ ان شاء اللہ)